1597

ہند کے جاں نثار

۱۔ رامائن

(۱) شری رام چندر جی کی کہانی

ہندوستان میں کون سا ایسا بچہ ہوگا جس نے رام لیلا نہ دیکھی ہو۔ یا اس کا حال نہ سُنا ہو۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے رام لکشمن اور سیتا کا روپ بھرتے ہیں۔ کوئی سوپ نکھا بنتا ہے کوئی ہنومان بن کر اپنی کمر میں دُم لٹکا لیتا ہے کاغذ کی لنکا بنائی جاتی ہے۔ میگھناد اور راون کی جگہ دو بڑے بڑے دیو بناتے ہیں جن کے اندر بانس کی کھپچیوں میں پٹاخے پھلجھڑی اور گولے لٹکا دیتے ہیں اور یہ میدان میں کھڑے کئے جاتے ہیں۔ ہنومان لنکا میں آگ لگا دیتے ہیں۔ اور رام چندر جی ان راکشسوں پر جلتے ہوئے تیر چلاتے ہیں۔ کاغذ اور بانس میں آگ پھیل جاتی ہے۔ اور رام لکشمن کی راون سے لڑائی

عاکر لیلا ختم کی جاتی ہے۔

یہ کہانی راجہ رام چندر جی کی بہت پرانی ہے اور رامائن میں بڑی خوبی کے ساتھ نظم میں بیان کی گئی ہے۔ آج ہم تمہیں اس کہانی کو شروع سے آخر تک سنائیں گے۔

صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کو تم جانتے ہو۔ اور ہندوستان کے نقشے میں فوراً پہچان لوگے۔ اس کا وہ حصہ جس کا نام اودھ ہے۔ پرانے زمانے میں کوشل کہلاتا تھا۔ یہاں اکشواکو نسل کے راجہ راج کرتے تھے۔ راجہ دشرتھ اسی نسل کے بہت مشہور راجہ ہوئے ہیں۔ یہ سرجو ندی کے کنارے اجودھیا جی میں راج کرتے تھے۔ اب بھی فیض آباد کے قریب ان کے محلوں کے نشان اور کھنڈر موجود ہیں۔ جہاں سیکڑوں ہندو جاتری درشنوں کے لئے جاتے ہیں۔

راجہ دشرتھ کے تین رانیاں تھیں۔ سب سے بڑی کا نام کوشلیا تھا۔ دوسری رانی سمترا اور تیسری یعنی سب سے چھوٹی رانی کیکئی تھیں۔ یہ سب سے زیادہ خوبصورت تھیں۔ اور راجہ جی ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ مگر کوشلیا کی سب سے زیادہ عزت کرتے تھے

ان کے راج میں غریب سے لیکر امیر تک سب خوش حال تھے ۔ جھوٹ، چوری اور برے کاموں کا نام تک نہ تھا ۔ رعیت مالا مال تھی ۔ اور سب چین سکھ سے رہتے تھے ۔ سارا ملک بہشت تھا ۔ اگر کچھ کمی تھی تو یہ کہ راجہ کے یہاں تینوں رانیوں میں سے کسی کے اولاد نہ ہوتی تھی اور یہ بات رات دن سب کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی ۔

ایک روز اتفاق سے گرو وشسٹ جی کے سامنے کسی نے اس بات کا ذکر کر دیا ۔ وشسٹ جی بڑے گیانی دھیانی مہاتما تھے ۔ اپنے راجہ کے دکھ کا حال سن کر وہ ان کے پاس گئے ۔ اور ان کو یگیہ کرنے کی صلاح دی ۔ راجہ نے یگیہ کی بڑی دھوم دھام سے تیاری کی ایک بڑے ہون کنڈ میں آگ جلائی گئی ہزاروں پنڈت رشی منی شریک ہوئے ۔ یہ وید منتروں کو پڑھ پڑھ کر گھی اور خوشبودار چیزیں آگ میں ڈالتے جاتے تھے ۔ جب یگیہ ختم ہوا تو تمام ملک کے غریبوں اور بھوکے پیاسوں کو کھانا کھلایا گیا ۔ برہمنوں اور پجاریوں کو بہت کچھ دان اور دکشنا دیکر رخصت کیا گیا ۔ بچے ہوئے کھانے میں سے تھوڑی سی کھیر پرشاد کے طور پر وشسٹ جی نے

رانیوں کے پاس بھی بھیجی اور اولاد کے لئے دعائیں دیں۔
یگیہ کے چند ہی روز بعد ایشور کی کرپا ایسی ہوئی کہ تینوں رانیوں کو اولاد کی امیدیں ہونے لگیں۔ سب سے بڑی رانی کوشلیا سے رام چندر جی پیدا ہوئے۔ ان کے بعد سمترا سے لکشمن جی اور ستروگھن جی اور کیکئی سے بھرت جی پیدا ہوئے۔ اتنی بڑی عمر میں راجہ دشرتھ اپنے لڑکوں کو دیکھ دیکھ کر پھولے نہ سماتے تھے اور ایک منٹ کے لئے بھی انکی جدائی گوارا نہ کر سکتے تھے۔

وشسٹ جی نے ان چاروں شاہزادوں کو سارے علم و ہنر سکھا دئے۔ بڑے ہو کر یہ سب نہایت خوبصورت، تندرست اور طاقتور ہوگئے۔ ساری رعایا دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ راجہ دشرتھ تخت پر بیٹھے ہوئے راج پاٹ کا کام کر رہے تھے کہ اتنے میں وشوامتر دربار میں آن پہنچے اور راجہ سے بن کے راکششوں کی شکایت کرنے لگے کہ یہ ہمیں پوجا پاٹ کچھ نہیں کرنے دیتے۔ ہر وقت ستاتے ہیں۔ جب تک آپ ان کو بنوں سے نہ بھگادیں گے ہمیں چین نہ آئیگا۔ تب راجہ نے بہت کچھ فوج اور لشکر

بھیجنے کا وعدہ کیا لیکن وشوامتر جی نے جواب دیا کہ یہ سب اُن راکشسوں کے مقابلے میں ایک پل بھر بھی نہ ٹھہر سکیں گے۔ اور بغیر رام لکشمن کی مدد کے ہمارے یگیہ کی پوری حفاظت نہ ہو سکے گی۔ راجہ جی یہ بات سُنکر بڑی فکر میں پڑ گئے مگر وشوامتر نے اُن سے کہا۔ کہ آپ کسی قسم کی فکر نہ کیجئے۔ ہم بہت جلد یگیہ کو پورا کرکے دونوں بھائیوں کو آپ کے پاس واپس پہنچا دیں گے۔ راجہ دشرتھ جی کو وشوامتر کی خاطر منظور تھی۔ اس لئے فوراً رام چندر جی اور لکشمن جی کو ان کے ہمراہ کر دیا۔

سوالات

(۱) کوشل کی راجدھانی نقشے میں دکھاؤ۔ آج کل اس میں کونسے مشہور شہر شامل ہیں؟

(۲) راجہ دشرتھ کو کس بات کی فکر لگی رہتی تھی؟

(۳) ان کے زمانہ میں ملک کی کیا حالت تھی؟ اب کس بات میں فرق ہے؟

(۴) یگیہ کا پورا حال بیان کرو۔ ہون اور یگیہ میں کیا فرق ہے؟

(۵) راجہ دشرتھ کے کون کون لڑکے کس کس رانی سے پیدا ہوئے؟

(۶) لڑکوں کی تعلیم کیسے ہوئی؟ ہمارے مدرسوں میں اس قسم کی تعلیم کیوں نہیں ہوتی۔

(۷) راجہ اور وشوامتر کی بات چیت کو مکالمہ کی شکل میں لکھو۔ اور آپس میں ملکر نقل کرکے دکھاؤ۔

(۲) رام چندر جی کا دھنش توڑنا

رام چندر جی اور لکشمن جی جنگلوں میں تشریف لے گئے اور یگیہ کی حفاظت کرنے لگے۔ جنگلوں میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ان کا مقابلہ "تاڑکا" سے ہوا۔ اور انھوں نے اس راکششنی اور اس کے بیٹوں کو بات کی بات میں مار گرایا اور وشوامتر رشی کے یگیہ کو بخوبی پورا کرادیا۔ اتفاق سے انھیں دنوں متھلا پوری میں جو ودہ راج یعنی صوبہ بہار میں واقع تھی۔ راجہ جنک کی لڑکی سیتا جی کا سوئمبر ہونے والا تھا۔ اس کی خبر وشوامتر کو بھی ملی۔ وہ اپنے دونوں شاگردوں سمیت فوراً سوئمبر میں جا پہنچے۔

سوئمبر میں راجہ جنک کی شرط یہ تھی کہ جو کوئی شیو جی کے دھنش کو چڑھا دے گا اسی کے ساتھ راج کماری سیتا جی کی شادی ہوگی چونکہ سیتا جی نہایت پاکدامن اور خوبصورت تھیں اس لئے بہت سے راجہ سوئمبر میں آئے۔ اور ہر ایک نے جی جان سے کوشش کی کہ کسی طرح دھنش کو چڑھاویں۔ چڑھانا تو درکنار کسی سے دھنش ہلا بھی نہیں۔ آخرکار رام چندر جی وشوامتر جی سے اجازت لے کر دھنش پر زور



ताड़का वध

تاڑکا کا قتل

آزمانے کے لئے اپنی جگہ سے اُٹھے۔ اس وقت سب
کی آنکھیں ان کی طرف لگ گئیں۔

جب رام چندر جی دھنش چڑھانے کے لئے میدان میں
آئے تو ان کے حُسن و جمال کو دیکھ کر سیتا جی بھی موہت
ہو گئیں اور وہ اپنے دل میں کہنے لگیں۔ اے پرماتما اگر
راجہ اپنی شرط کو بدل دیں یا یہ دھنش ہلکا ہو جائے تو کیسا
اچھا ہو مگر رامچندر جی کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ ان کی طاقت کو
دیکھ کر بڑے بڑے بہادر بھی دنگ رہ جاتے تھے۔ انھوں نے
نہایت آسانی سے دھنش کو اُٹھا لیا جھٹ چلّہ چڑھا لیا اور
تیر رکھ کر اتنے زور سے کھینچا کہ دھنش کے دو ٹکڑے
ہو گئے۔ اس کے ٹوٹنے کی آواز سنتے ہی سب طرف سے واہ
واہ کا شور مچ گیا اور محلوں سے پھولوں کی بوچھار ہونے لگی۔ اتنے
میں سیتا جی اپنی جگہ سے اٹھیں سکھیوں کے جھرمٹ میں اس کے
قریب جا پہنچیں۔ اونچی نگاہ کئے ہوئے پھولوں کا خوبصورت
گجرا اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور آہستہ سے رامچندر جی کے گلے میں
ڈال دیا۔ جنک جی کا قول اور سیتا جی کی مراد اس طرح پوری ہو گئی۔
راجہ جنک نے فوراً راجہ دشرتھ کو اس بات کی خبر بھیجی

اور دونوں طرف سے شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ راجہ دشرتھ بڑی دھوم دھام سے بارات لے کر بیٹے کا بیاہ کرنے آئے۔ منڈپ کے پاس ہون کنڈ تیار ہوا۔ دونوں طرف کے پنڈتوں نے وید کی رچاؤں سے ہون شروع کیا۔ جب دولھا دلہن میں عہد و پیمان ختم ہوچکے تو سات مرتبہ بھاونریں پھیری گئیں۔ دولھا دلہن آسن تبدیل کرکے بیٹھ گئے اور اس طرح شادی کی رسم ختم ہوگئی۔ اسکے بعد کئی دن تک بڑے جلسے اور دعوتیں ہوتی رہیں۔ اور اس طریقے سے راجہ جنک نے بہت کچھ جہیز دیکر بیٹی کو برات کے ساتھ رخصت کیا۔ راجہ دشرتھ اپنی بہو کو لیکر اجودھیا واپس آئے اور خوشی خوشی راج کرنے لگے۔

آج تک ہندؤں میں بیاہ کی رسمیں ویسی ہی چلی آتی ہیں۔ صرف ایک سویمبر باقی نہیں رہا۔

سوالات

(۱) متھلا پوری سے کوشل پوری کا فاصلہ کتنا ہوگا؟

(۲) رامچندرجی نے دھنش کس طرح توڑا؟ دھنش یگیہ کا تماشا لکھو۔

(۳) ہندؤں کے یہاں شادی کیسے رچاتے ہیں؟

(۴) سوئمبر کی رسم کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

(۳) بن باس

راجہ دشرتھ جی کا بڑھاپا آ چکا تھا۔ اب انھیں یہ فکر غالب ہوئی کہ کسی طرح راج پاٹ کے سارے کار و بار رامچندر جی کے سپرد کر کے آپ آرام کریں اور باقی زندگی ایشور کی یاد میں گزار دیں۔ مگر زمانہ کب چین لینے دیتا ہے۔

گھر گھر یہی چرچا تھا کہ رعایا کے پیارے شری رامچندر جی کی تخت نشینی کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ وہ دن کب آئیگا کہ ان کی خوشی میں بڑے بڑے جلسے اور محفلیں ہونگی انعام و اکرام تقسیم ہوں گے۔ ایک روز دربار میں راجہ دشرتھ نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے مشورہ کیا کہ یوراج بنانے کی کوئی نیک ساعت مقرر کی جائے اور رام چندر جی کے راج تلک کی بڑی دھوم دھام سے تیاری ہو۔ یہ خبر سارے ملک میں آن کی آن میں پھیل گئی۔ نوبت اور شادیانے بجنے لگے۔ محلوں کے سامنے نفیری، نقارے کی آواز سے کان پڑی آواز

نہ سنائی دیتی تھی۔ جس نے سُنا خوشی کے مارے
اُچھل پڑا مگر اس گھر میں ایک ایسی بھی عورت تھی
جو اس خبر کو سُنکر بجائے خوش ہونے کے بہت ہی
رنجیدہ ہوئی وہ کیکئی کی باندی منتھرا تھی۔ اس جنم جلی
کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ فوراً دوڑی دوڑی کیکئی
کے محل میں پہنچی۔ دیکھا کہ رانی سولھوں سنگار بتیسوں
ابرن کئے ہوئے بڑی سج دھج سے بیٹھی ہیں اور
عورتوں کا گانا سُن رہی ہیں۔ اشارہ سے بلا کر وہ رانی
کو ایک علیحدہ کمرے میں لے گئی۔ اور دریافت کرنے
لگی کیا تم شری رام چندر جی کے یوراج کی خوشیاں
منا رہی ہو؟ رانی نے جواب دیا تم کیا سمجھتی ہو کیا وہ
مجھے بھرت سے زیادہ پیارے نہیں ہیں؟ اس سے
زیادہ مبارک دن کب آئے گا۔ منتھرا نے اب پٹی پڑھانی
شروع کی۔ دنیا کی اونچی نیچی باتوں کا جال بچھایا جس سے
بھولی بھالی رانی کو اس کے پھندے سے نکلنا مشکل
ہو گیا۔ منتھرا نے جب دیکھا کہ میرا جادو چل گیا تو اس نے
رانی کو یہ سمجھایا کہ تم آج غمگین صورت بنالو۔ آسن پاٹی لے کر



कैकई और मंथरा

کیکئی اور منتھرا

محل میں پڑی رہو۔ جب راجہ جی آئیں تو ان کی ایک نہ سننا اور برابر یہی کہے جانا کہ میں تو اپنے دو بر (قول) لئے بغیر نہ رہوں گی۔ اور جب راجہ جی اقرار کرلیں تب تم شری رام چندر جی کو چودہ برس کا بن باس اور بھرت جی کے لئے راج گدی یہی دو بر (قول) مانگنا۔

رانی کے دل میں یہ بات نقش ہو گئی۔ اس نے منتھرا کے ایک ایک حرف کو پورا کر دکھایا اور جب راجہ جی محل میں آئے تو انھوں نے اس کو بہتیرا سمجھایا۔ مگر ان کی ایک پیش نہ گئی۔ آخر کار ان کو دونوں قول ہارنے ہی پڑے۔

راجہ دشرتھ کے لئے رام چندر جی جان سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ ان کو اپنی زبان سے یہ باتیں کہنی کب گوارا ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے شری رامچندر جی کو کیکئی کے محل میں بلوا بھیجا۔ شری رام چندر جی کی موہنی مورت دیکھ کر بھی کیکئی کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا اور اس نے شری رامچندر جی کو چودہ برس بن میں رہنے اور بھرت جی کو ان کی جگہ یوراج بنانے کے دونوں قول جو راجہ جی ہارے تھے کہہ سنائے۔ راجہ دشرتھ کا اسی وقت سے برا حال ہو گیا۔ شری رامچندر جی نے یہ سمجھ کر

کہ باپ کے حکم کو پورا کرنا اولاد کا فرض ہے۔ ان کے حکم کو سر آنکھوں سے قبول کیا۔ اسی وقت شاہی لباس اُتار کر تن سے علیحدہ رکھ دیا اور گیروے کپڑے پہن لئے۔ یہ دیکھ کر محلوں میں کہرام مچ گیا۔

جب سیتا جی نے یہ خبر سنی تو ان کو تن بدن کی سُدھ نہ رہی۔ اُلٹے سیدھے کپڑے پہن گھر سے نکل پڑیں اور رام چندر جی کے ساتھ اسی حال سے چلنے کو تیار ہو گئیں انھوں نے کبھی محلوں سے قدم باہر نہ نکالا تھا۔ یہ کیا خبر تھی کہ جنگلوں میں کیسی کیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر وہ ایک نہایت پاک عورت تھیں۔ ان کی بہشت شری رام چندر جی کے قدموں کے نیچے تھی۔ انھوں نے ایک نہ مانی آخر کار شری رام چندر جی نے ان کو بھی ساتھ لے لیا۔ جنگل میں رہنے کی مشکلات کے ساتھ بیوی کا بوجھ بھی جھیلنا پڑا۔

ادھر لکشمن جی بھی ساتھ چلنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ ان کو چھوڑنا ناممکن تھا۔ کیونکہ یہ آٹھوں پہر بھائی کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہتے تھے۔ آخر دونوں کو ساتھ ہی رکھنا پڑا۔

ہندوستان کا کونسا ایسا بچہ ہے جو شری رام چندر جی

کی طرح فرمانبرداری کو فرض نہ سمجھتا ہو اپنے ماں باپ کے قولوں کے پورا کرنے کا خیال نہ رکھتا ہو۔ اتنا نہیں تو کچھ نہ کچھ بھی ایسا خیال نہ کرتا ہو؟ کون سی ایسی عورت ہوگی جو اپنے پتی کے چرنوں کی سیوا نہ کرتی ہو۔ سیتا جی کی طرح نہیں تو تھوڑی بہت پتی ورت دھرم پر نہ رہتی ہو؟ کونسا ایسا چھوٹا بھائی ہوگا جو مثل لکشمن کے بڑے بھائی کے پسینے کی جگہ لہو بہانے کے لئے تیار نہ ہو؟ یہی ہندوستان کی تہذیب کی ایسی باتیں ہیں۔ جن کی وجہ سے دنیا کی تمام قوموں کے سامنے ہمارا سر نیچا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں نے شری رامچندر جی کو اوتار کا درجہ دے رکھا ہے۔

سوالات

(۱) کیا کوئی ایسا بھی شخص تھا جس کو شری رامچندر جی کا یوراج بنایا جانا پسند نہ آیا ہو؟

(۲) کیکئی کیا کر رہی تھی؟ منتھرا نے کیا پٹی پڑھائی؟

(۳) کیکئی نے راجہ جی سے کون سے دو بر دان مانگے؟

(۴) شری رامچندر جی نے بن باس کیوں قبول کیا؟ ان کے ساتھ بن باس کے لئے کون کون چلنے کو تیار ہوئے؟

(۵) بتاؤ شری رامچندر جی سیتا اور لکشمن کو ساتھ کیوں نہیں لیجانا چاہتے تھے؟ تم ایسے موقع پر کیا کرو گے؟ اور کیوں؟

(۶) ہماری تہذیب کے کون کون سے بڑے اصول ہیں؟ فرمانبرداری اور پتی ورت دھرم کی خوبیوں خرابیوں پر بحث کرو۔

(۴) لنکا کا فتح کرنا

دنیا میں شادی غمی دونوں ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔ کہاں تو شری رام چندر جی کے بیاہ کی خوشیوں سے محل گونج رہے تھے۔ اور کہاں اب وہ وقت آنے والا ہے کہ انھیں محلوں میں رونے دھونے کے سوائے اور کوئی آواز نہ سنائی دیگی۔

بن باس کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ رام چندر جی سب سے مل مل کر جدا ہونے لگے ساری رعایا روتی پیٹتی رام چندر جی کے ساتھ ہولی۔ جونہی رام چندر جی کا قدم شہر سے باہر نکلا دشرتھ جی بیٹے کی جدائی کا غم نہ سہہ سکے اور انھوں نے پرلوک کی راہ لی۔

رام چندر جی سب ساتھیوں کو رات میں سوتا چھوڑ کر چپکے سے سیتا جی اور لکشمن جی کے ساتھ گنگا کے پار چترکوٹ میں پہنچے اور وہاں جنگلوں میں پتوں کی جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔ اسی اثنا میں بھرت جی جو اپنے ننہال میں تھے خبر پاتے ہی اجودھیا میں آئے باپ کا کریا کرم کیا اور رام چندر جی کو راج گدی پر واپس لانے کی کوشش کرنے لگے۔ رعایا سمیت چترکوٹ کو گئے۔ جب رامچندر جی کسی طرح سے واپس چلنے کے لئے راضی نہ ہوئے تو بھرت جی نے ان کی کھڑاویں

चित्रकूट-निवास



اٹھالیں اور ان کو لے کر اجودھیا میں سنگھاسن پر رکھ دیا اور آپ بحیثیت وزیر کے راج پاٹ کرنے لگے۔

اس کے بعد رام چندر جی چترکوٹ کو چھوڑ کر ڈنڈک بن میں چلے گئے اور پنچ وٹی کے مقام پر ایک خوبصورت کٹی بنا کر رہنے لگے۔ ایک دن یہ تینوں کٹی کے باہر بیٹھے ہوئے جنگل کا نظارہ دیکھ رہے تھے کہ یکایک سنہرا ہرن کلیلیں کرتا ہوا کٹی کے پاس آ نکلا۔ سیتا جی کو بہت پسند آیا۔ رام چندر جی اس کے پکڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب رام چندر جی ہرن کے پیچھے دور نکل گئے یہاں تک کہ نظر سے غائب ہو گئے۔ بہت دیر تک انتظار رہا مگر جب وہ واپس نہ آئے تو سیتا جی بےچین ہو گئیں۔ لکشمن جی کو تلاش میں جانا پڑا۔ سیتا جی اب اکیلی رہ گئیں راون موقع کی تاک میں تھا فقیر کا بھیس بدل کر آیا اور ان کو زبردستی کٹی سے اٹھا لے گیا۔ رتھ تیار کھڑا تھا۔ جب اس نے ان کو رتھ پر بٹھا کر چلنے کا قصد کیا تو جٹایو نے اتفاق سے دیکھ لیا اور آ کر راون سے لڑنے لگا۔ چونکہ یہ بوڑھا تھا اس لئے باوجود جان توڑ کر لڑنے کے بھی اس کی پیش نہ گئی۔ راون کے تیروں سے گھائل ہو کر گر پڑا اور رتھ کا پیچھا نہ کر سکا۔ راون

سیتاجی کو لے کر لنکا میں جا پہنچا اور ہر طرح سے ان کو اپنی رانی بنانے کی کوشش کرنے لگا لیکن سیتاجی نے اس کی خوشامد اور دھمکانے کی پروا نہ کی اور اپنے دھرم پر قائم رہیں۔ یہ دیکھ کر راون نے انکو اشوک باٹکا میں قید کر دیا۔

رام چندر جی اور لکشمن جی جب لوٹ کر آئے تو کٹی کو خالی پایا۔ سیتا جی کی بہت تلاش کی مگر کہیں پتہ نہ ملا۔ اتفاق سے راستے میں جٹایو زمین پر لوٹتا ہوا نظر آیا۔ اس کے پاس جاکر حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ لنکا کا راجہ راون سیتاجی کو رتھ میں بٹھا کر اسی راستے سے لے گیا ہے۔ اور جٹایو کو لڑائی میں گھائل کر کے چھوڑ گیا ہے۔ رام چندر جی کو جٹایو کے حال پر بڑا ترس معلوم ہوا۔ اور راون پر بڑا غصہ آیا۔ جٹایو کی مرہم پٹی کی مگر وہ نہ جیا تب وہ راون سے بدلہ لینے کی فکر کرنے لگے۔

سگریو بانر قوم کا راجہ تھا۔ کشکندھ میں راج کرتا تھا۔ رام چندر جی نے راون پر چڑھائی کر کے سیتا جی کو پھیرلانے کے واسطے اس سے فوج مانگی۔ سگریو نے اس شرط پر فوج دینے کا وعدہ کیا کہ آپ پہلے میرے دشمن یعنی سگے بھائی بالی کو مار کر میرا راج دلوا دیں۔ رام چندر جی نے بالی پر

چڑھائی کی اور اُس کو ایک تیر سے مار گرایا اور سگریو کو راج کا مالک بنا دیا۔ سگریو بڑا شکر گزار ہوا اور اس نے اپنے سپہ سالار ہنومان کے ہمراہ ایک بڑی فوج تیار کر کے ان کے حوالے کی۔

رامچندر جی نے ہنومان جی کو اپنی انگوٹھی دے کر سیتا جی کا حال اور لنکا کا سارا بھید معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ ہنومان جی نے بڑی ہوشیاری سے اس کام کو انجام دیا۔ مگر راون نے ان کو آخر پکڑ ہی لیا۔ اس وقت بھی انھوں نے اپنی دانائی سے ایسا پیچ کھیلا کہ کُل لنکا آگ سے جل گئی اور وہ صاف جان بچا کر اپنے لشکر میں آملے۔ اور سیتا جی کا کُل حال اور لنکا کا بھید کہہ سُنایا۔

سیت بند رامیشورم پر پل بنا کر ساری فوج لنکا میں داخل ہو گئی۔ بہت عرصے تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر کار راون ایک لشکر جرّار لیکر بادل کی طرح اُمنڈ آیا۔ ادھر رامچندر جی نے بھی سب طرف سے فوج کو سمیٹ کر مقابلہ کیا۔ دونوں طرف کے سپاہیوں نے بڑی بہادری دکھائی لیکن آخر میں راون مارا گیا

رام چندر جی نے سیتا جی کو قید سے چھڑا کر ساتھ لیا اور بھبیشن کو بھائی کا راج دے کر لنکا سے روانہ ہوئے چونکہ اب چودہ برس ختم ہو گئے تھے۔ اس لئے اپنی فوج کے ساتھ اجودھیا لوٹنے کا قصد کیا۔

بھرت جی نے رام چندر جی کے واپسی کا حال سنا ان کا استقبال کرنے کا ارادہ کیا۔ بڑی خوشی سے اپنے راج کی سرحد پر آئے۔ بھائی بھائیوں میں بڑے تپاک سے ملاقات ہوئی۔ اور بھرت جی نے رام چندر جی کو سب راج کا کام سونپ دیا۔ ساری رعایا نے لنکا کی فتح کی خوشیوں میں بڑے جشن منائے اور راج گدی کے دن گھر گھر گھی کے چراغ روشن ہوئے۔ لنکا کو فتح کرنے کی یادگار قائم رکھنے کے لئے ہر سال رام لیلا ہوتا ہے۔ بھرت ملاپ اور راج گدی کی خوشی میں دیوالی کا تہوار منایا جاتا ہے۔

سوالات

۱۔ رام چندر جی کو بن باس کیونکر ملا؟

۲۔ وہ چترکوٹ میں کس طرح پہنچے؟

۳۔ بھرت جی نے کیا کام کیا؟



भरत-मिलाप

بھرت کی ملاقات

۴۔ سیتا جی کو راون کس طرح چرا لے گیا؟
۵۔ رام چندر جی کو اس کا پتہ کیونکر لگا؟
۶۔ سگریو نے سیتا جی کے تلاش کرنے میں رامچندر جی کی کس طرح مدد کی؟
۷۔ رام چندر جی نے سیتا جی کا حال اور لنکا کا بھید کیونکر معلوم کیا؟
۸۔ رام اور راون کی لڑائی کا حال بیان کرو؟
۹۔ دسہرہ اور دیوالی کن کن باتوں کی یاد دلاتے ہیں؟
۱۰۔ بھرت جی نے شری رام چندر جی کی واپسی پر کیا سلوک کیا؟
۱۱۔ بھرت جی اور لکشمن جی کے کاموں کا مقابلہ کرو۔

۲۔ مہابھارت

۱۔ مہاراجہ بھرت کی پیدائش

پرانے زمانے میں کنو رشی جنگلوں میں تپسیا کیا کرتے تھے ایک دن گومتی ندی میں اشنان کرنے گئے۔ راستے میں ان کی نظر ایک ننھی سی بچی پر پڑی۔ جو بلک بلک کر رو رہی تھی اور جب تھک جاتی تھی تو انگوٹھا چوسنے لگتی تھی۔ اس سنسان بیابان میں اکیلے بچے کو اس

حالت میں پڑا دیکھ کر اُن کو ترس آیا اور وہ اپنا اشنان دھیان بھول گئے۔ بچی کو گود میں اُٹھا اپنی کٹی میں لے آئے رات دن اس کی پرورش میں لگے رہتے۔ جب یہ بڑی ہوئی تو رشی نے اس کا نام شکنتلا رکھا۔

کنو رشی اب پھر ایشور کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ اکثر کُٹی میں شکنتلا کو اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے تھے اور عرصے تک واپس نہ آتے تھے۔ یہ دن بھر اپنا وقت پھولوں کے سینچنے اور باغ کی کیاریاں بنانے میں صرف کرتی تھی یا گاؤں کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلنے میں گزار دیتی تھی۔

ایک دن راجہ دُشینت شکار کھیلتے ہوئے بن میں راستہ بھول کر اس طرف آ نکلے۔ شکنتلا باغ کے کام میں مصروف تھی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا شکنتلا نے اس سے پہلے کسی غیر مرد کی صورت نہ دیکھی تھی ایسے خوشرو نوجوان کی شکل دیکھ کر اس کے دل میں ایک عجیب خوشی سی پیدا ہوئی وہ اپنے مہمان کی خاطر تواضع میں لگ گئی۔ ادھر راجہ دشینت کے دل میں

بھی اس کی مہمان نوازی، صورت شکل اور سلیقہ و شعور کا بڑا اثر ہوا۔ دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ اس سے شادی کیونکر ہو۔ کیونکہ خود تو کشتری راجہ تھا اور اس کو برہمن کی بیٹی سمجھتا تھا۔ مگر دل میں کچھ شبہہ تھا کہ کنو رشی نے کوئی شادی تو کی نہیں پھر شکنتلا کیسے پیدا ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد وشینت نے شکنتلا کی سہیلیوں سے دریافت کیا تو اُسے معلوم ہوا کہ شکنتلا بھی وشوامتر یعنی ایک کشتری رشی کی اولاد ہے۔ اس سے وشینت کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ اب تو دونوں کی شادی ہو سکتی تھی۔

کچھ دنوں تک دونوں کنو رشی کا انتظار کرتے رہے جب وہ نہ آئے تو وشینت نے شکنتلا سے شادی کر لی۔ ہنسی خوشی سے دن گذرنے لگے۔ یکایک جب راج کی یاد آئی تو شکنتلا کو اپنی انگوٹھی دیکر کہا کہ جب رشی جی آئیں تو اجازت لے کر میرے دربار میں اس نشانی سمیت آجانا میں تم کو اپنے محل میں رانی بنا کر رکھونگا۔ رشی جی جب بہت عرصے کے بعد کٹی میں واپس آئے تو ان کو وشینت اور شکنتلا کی شادی کا حال معلوم ہوا۔ رشی جی نے اپنے چیلوں کے ہمراہ

شکنتلا کو دشینت کے دربار میں بھیجدیا۔ اس وقت تک راجہ دشینت اس شادی کا حال بالکل بھول گئے تھے۔ ادھر شکنتلا سے انگوٹھی بھی کھو گئی تھی۔ اس لئے دشینت نے شکنتلا کو محل میں رکھنے سے انکار کر دیا۔ شکنتلا شرم کے مارے کٹی میں نہ گئی اور ایک جنگل میں اپنی جھونپڑی الگ بناکر رہنے لگی۔ وہاں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بھرت رکھا گیا۔

اتفاق سے شکنتلا کی انگوٹھی ندی میں گر پڑی تھی۔ اس کو ایک مچھلی نگل گئی۔ وہ مچھلی ایک مچھوے کے ہاتھ لگی۔ مچھلی کے پیٹ میں سے انگوٹھی نکلی۔ مچھوے کو بڑی خوشی ہوئی۔ وہ انگوٹھی کو بیچنے بازار میں گیا۔ جوہریوں نے چوری کا مال سمجھ کر مچھوے کو پکڑوا دیا۔ مقدمہ دربار میں پیش ہوا۔ راجہ دشینت نے مچھوے کو بہت سا انعام دیکر چھوڑ دیا اور انگوٹھی لے لی۔ راجہ کو اس انگوٹھی سے اپنے بیاہ اور شکنتلا کی صورت یاد آگئی۔ سارا قصہ تازہ ہو گیا۔ شکنتلا کو نہ پہچاننے اور دربار سے نکال دینے کا بہت افسوس ہوا۔ فوراً عہد کیا کہ کسی طرح شکنتلا کو تلاش کیا جائے اور اپنی بے دردی کی تلافی کی جائے۔

اس تلاش میں راجہ گھر سے نکل کھڑا ہوا اتفاق سے



भरत का शेर के बच्चे के साथ खेलना

بھرت کا شیر کے بچے کے ساتھ کھیلنا

اسی بن میں ڈھونڈھتا ڈھونڈھتا جا نکلا جہاں کہ شکنتلا کی کٹی تھی۔ اس کے سامنے بھرت شیر کے بچوں سے کھیل رہا تھا۔ بچہ بڑا ہونہار اور خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ بچے کو دیکھ کر دشینت قدرتی محبت کے جوش سے بیتاب ہوگیا۔ فوراً گود میں اٹھا لیا اور اس کے ماں باپ کا نام پوچھنے لگے۔ بچے کی زبانی جب اپنا نام سنا تو بڑی حیرت ہوئی اب تو یقین ہوگیا کہ یہ میرا ہی لڑکا ہے۔

دشینت بھرت اور شکنتلا کو بڑی خاطر سے راج دھانی میں لے آیا۔ یہ سب بڑی محبت سے محلوں میں رہنے لگے۔ راجہ دشینت کے بعد یہی راج کنور تخت و تاج کا وارث ہوا اور راجہ بھرت کہلایا۔ اس کی سلطنت دور دور تک پھیل گئی۔ اور ہندوستان کا نام بھارت ورش اسی کے نام کی یادگار ہے۔

بھارت بھارت ورش کو اہل یورپ انڈیا اور مسلمان ہندوستان کہتے ہیں۔ اور دونوں ناموں کی بھی وجہ ہے۔ پنجاب میں ایک ندی سندھ ہے اس کا انگریزی نام انڈس ہے اسی نام سے بھارت ورش کا نام انڈیا ہوا۔

مسلمانوں نے سندھ کا "س" "ہ" سے بدل کر ہند کر دیا۔ یہاں کے باشندوں کو ہندو اور ملک کو ہندوستان کہنے لگے۔

سوالات

(۱) شکنتلا کی پرورش کیسے ہوئی؟
۲۔ دشینت نے شکنتلا سے کیونکر شادی کی؟
۳ راجہ شکنتلا کو کیسے بھول گئے؟
۴۔ راجہ کو شکنتلا کب یاد آئی؟
۵۔ شکنتلا کا اس وقت تک کیا حال ہوا؟
۶۔ بھرت کو دشینت نے کیونکر پہچانا؟
۷۔ ہندوستان کا نام بھارت ورش کیونکر ہوا؟
۸۔ اس کہانی کو ڈرامہ کی شکل میں لکھو اور کھیلو۔

۲۔ بھیشم کا زبردست عہد

بھرت کی کئی پیڑھیوں بعد راجہ شنتانو بڑے مشہور راجہ ہوئے ہیں۔ یہ چندربنسی خاندان سے تھے۔ ان کی راجدھانی ہستناپور میں تھی۔ ان کی شادی گنگا رانی سے ہوئی تھی راجہ اور رانی دونوں بڑے دھرماتما تھے۔ مگر ان کی اولاد

نہ جیتی تھی۔ ان کے آٹھ لڑکے لگاتار ایک دوسرے کے بعد مرتے چلے گئے۔ یہ ہی غم گھن کی طرح جان کو کریدتا تھا۔ جب نواں لڑکا بھیشم پیدا ہوا تو گنگا رانی کا انتقال ہوگیا۔ اب تو راجہ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ عمر بڑی ہوتی جاتی تھی۔ بھیشم کے جینے کا اعتبار نہ تھا۔ دن رات یہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں خاندان کا نام نہ مٹ جائے۔

بھیشم کی پرورش بڑی احتیاط سے ہونے لگی۔ جب پانچ برس کا ہوا تو پڑھانے کے لئے پرش رام جی سے لائق استاد تھے۔ تعلیم و تربیت بھی اعلیٰ درجہ کی ہوئی۔ بہادری اور لیاقت میں یکتا ہوگیا۔ وفاداری اور شرافت میں نام پیدا کرلیا۔

راجہ شنتنو بیٹے کو ماہ نو کی طرح بڑھتے ہوئے دیکھتا تھا مگر دہشت کے مارے دل اندر ہی اندر بیٹھا جاتا تھا۔ کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ بھیشم کو بھی ہر وقت اپنے والد کا خیال لگا رہتا تھا۔ اس کو ذرا سا بھی رنجیدہ دیکھ کر بیتاب ہو جاتا تھا اور غم

غلط کرنے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔

ایک دن راجہ شنتانو گنگا کے کنارے شکار کو گئے ہوئے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ نوجوان لڑکی پانی بھرنے گنگا کی طرف جا رہی ہے۔ گنگا جی کے نام اور تعلق سے رانی کی یاد تازہ ہوگئی۔ اس کی ساری چھب اس لڑکی میں آنے لگی۔ دل بے اختیار ہوگیا۔ اتہ پتہ نام و نشان پوچھا۔ باتوں باتوں میں ادب سلیقہ اور لیاقت کے جوہر کھل گئے۔ اس پیتر کا نام ستیا وتی تھا اور ایک ملاح کی لڑکی تھی۔ گنگا کنارے ایک جھونپڑی میں رہتی تھی۔ دل میں سوچنے لگا۔ سچ مچ یہ تو رانی ہونے کے لائق ہے۔ اور دوسری گنگا رانی معلوم ہوتی ہے۔ فوراً اس کے والد ملاح کو بلایا۔

راجہ۔ تمہاری لڑکی تو بڑی خوبصورت اور نہایت شریف معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو ہمارے محل میں رانی ہوکر رہنے کے قابل ہے۔ بتاؤ تمہاری کیا صلاح ہے۔

ملاح۔ یہ تو آپ کی بندہ نوازی ہے۔ بھلا کہاں راج

شنتانو اور کہاں غریب ملاح۔
راجہ۔ نہیں نہیں۔ انسان انسان سب ایک ہیں۔
بڑائی چھٹائی۔ امیری غریبی کا ان باتوں میں کیا
خیال ہے۔ تم کو اپنی لڑکی پر پورا اختیار ہے۔
ملاح۔ مہاراج سب طرح آپ کا اعتبار ہے۔ مگر جب
لڑکی کی بھلائی بُرائی کو سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا
ہے کم درجہ کا خیال کتنا مشکل ہے۔ غریبی کی وجہ
سے نہ تو محلوں میں کوئی اس کی قدر کرے گا
اور نہ اس کی اولاد کی بہتری ہوگی۔
راجہ شنتانو ایسی معقول باتوں سے لاجواب ہو گئے
اور شادی کا ارادہ ترک کرکے گھر کو چلے آئے۔ اُڑتے
اُڑتے ان باتوں کی بھنک بھیشم کے کان تک پہنچ گئی۔
اس نے دیکھا کہ راجہ جی کا ڈر سچا ہے۔ زندگی کا کیا ٹھکانا
ہے۔ مگر ان کو کب منظور ہے کہ میرے سامنے ملاح کی
لڑکی کی اولاد تخت کی وارث بنے۔ اس محبت نے
راجہ جی کو دوسری شادی کرنے سے باز رکھا۔ ایسا ہرگز
نہ ہوگا۔ فوراً ایک آہ سرد بھری اور ملاح کے گھر کا راستہ لیا۔

بھیشم۔ آپ کا یہ خیال تو بالکل غلط ہے کہ آپ کی لڑکی کی محلوں میں قدر نہ ہوگی۔ اور مجھے اپنے بہن بھائی سے محبت نہ ہوگی۔ میں تو یہانتک اقرار کرنے کو تیار ہوں۔ راجہ جی کے بعد اپنے بھائی ہی کو تخت پر بٹھاؤنگا۔

ملاح۔ تمھاری شرافت میں کیا شک ہے۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ تمھاری اولاد بھلا کب یہ گوارا کریگی۔

بھیشم۔ میں گنگا جی کو ساکشی کرکے قسم کھاتا ہوں کہ میں تاعمر کبھی شادی نہ کروں گا۔ کہ اولاد پیدا ہو

ملاح اس زبردست عہد کو سن کر دنگ رہ گیا۔ فوراً راجہ جی کے پاؤں پر جا گرا۔ اور ستیاوتی کی شادی کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ راجہ شنتنانو نے جب بیٹے کی وفاداری اور بہادری کا حال سنا تو لاچار ہوگیا۔ اور اس قربانی پر عش عش کرنے لگا۔ کہنے لگا کہ میں ایسی شادی سے باز آیا۔ مگر جب دیکھا کہ خواہ زمین آسمان اپنی جگہ سے ہٹ جائیں پر بھیشم اپنے قول سے نہ ہٹے گا تو شادی کرنے پر مجبور ہوا۔

سیتا وتی سے سنتانو کے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک چترویر جو ایک لڑائی میں کام آیا اور دوسرا وچترویر جو اپنے باپ کے بعد تخت کا وارث ہوا اور بھیشم کی صلاح سے راج کرنے لگا۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ دھرتراشٹر اور پانڈو۔ بڑا تو اندھا تھا اور چھوٹا پیلا و کمزور۔ بھیشم نے اس اندھے لڑکے دھرت راشٹر کی شادی گاندھاری سے کرادی اور اس کے لڑکے کورد کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان سے سب میں بڑا لڑکا دریودھن تھا پانڈ کی شادی کنتی سے ہوئی اور اس کے لڑکے یدھشٹر۔ بھیم۔ ارجن تھے۔ پانڈ کی دوسری شادی مادری سے ہوئی اور اس سے دو جوڑواں لڑکے نکل اور سہدیو ہوئے یہ پانچوں پانڈو کہلائے۔

چونکہ بھیشم نے اپنی زندگی کے لطف باپ کے لئے قربان کر دئے تھے اور بچوں کی زبان سے پتا کا لفظ سننے سے محروم رہے تھے اس لئے رعایا نے ان کو پتا سے بھی بڑا خطاب پتامہ کا دیدیا۔ اس لئے ان کو سب بھیشم پتامہ کہتے تھے۔ اور لوگ ان کو سچی عزت کی

نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وچتر ویر کے بعد تخت پانڈو کو ہی ملا کیونکہ دھرت راشٹر اندھے تھے۔ مگر وہ اپنے دل میں ضرور چاہتے تھے کہ پانڈو کے بعد سلطنت میری اولاد کو ملے۔ یہی خواہش دونوں بھائیوں کی اولاد میں نا اتفاقی کا بیج بن گئی۔ اور مہابھارت کی جنگ کا سبب ہوئی۔

سوالات

۱۔ سنتانو کو دوسری شادی کرنے کی خواہش کیوں پیدا ہوئی؟

۲۔ بھیشم نے کیا عہد کیا؟ اور کیوں؟

۳۔ سنتانو کے بعد تخت کے وارث کون کون ہوئے؟

۴۔ بھیشم نے سلطنت کو اپنی نسل میں رکھنے کے لئے کیا کیا کوشش کیں؟

۵۔ پانڈوں اور کوروں کی نا اتفاقی کا اصل سبب کیا تھا؟

۶۔ رعایا نے دھرت راشٹر یعنی بڑے لڑکے کے بجائے پانڈو کو گدی پر کیوں بٹھایا۔

۳۔ لاکھ کا گھر

پانڈو کے بعد اندھے دھرت راشٹر نے راج سنبھالا مگر کل کام ایک کونسل کی صلاح سے ہوتے تھے۔ اس نے اپنے بھائی کے پانچوں لڑکوں کو ہستناپوری

بلا لیا اور کورو اور پانڈوں کی تعلیم کے لئے درونا چاریہ برہمن مقرر ہوئے۔ یدھشٹر بڑا گیانی ہوگیا۔ بھیم پہلوان نکلا۔ ارجن کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا تھا۔ نکل گھوڑے کی سواری میں ماہر ہوگیا۔ سہدیو نے جوتش شاستری میں کمال حاصل کر لیا۔ دھرت راشٹر کا لڑکا دریودھن بھی گرز چلانے اور داؤ پیچ کرنے میں ہوشیار نکلا۔ اور سب کے سب فن سپہگری میں طاق ہو گئے۔

ایک دن درونا چاریہ ان سب کا امتحان لینے کے لئے جنگل میں گئے۔ وہاں ایک پیڑ پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا تھا۔ درونا چاریہ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا۔ تمہیں پیڑ پر کیا نظر آتا ہے۔ سب نے اپنی عقل کے مطابق جواب دیا۔ اور کہا کہ ہمیں پتے پھول۔ شاخ اور چڑیا وغیرہ سب ہی دکھائی دے رہے ہیں۔ جب ارجن سے پوچھا تو اس نے یہ جواب دیا کہ مجھے تو صرف چڑیا ہی چڑیا نظر آتی ہے۔ درونا چاریہ نے ارجن کی یکسوئی کی تعریف کی اور کہا کہ دیکھو ارجن کا نشانہ اسی وجہ سے کبھی خطا نہیں ہوتا۔ تم سب جب کسی کام کو

انجام دینے لگو تو پوری توجہ اور یکسوئی سے کام لو۔ اگر چھوٹی چھوٹی باتیں تمھارا دھیان بٹائیں گی تو تم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو گے۔

راجہ دھرت راشٹر نے اپنی اور پانڈ کی اولاد میں سے کسی لائق شہزادے کو جانشین قرار دینے کا ارادہ کیا۔ وزیروں سے صلاح لی۔ آخر یہ قرار پایا اس انتخاب کے لئے ایک فن سپہ گری دکھانے کا ٹورنامنٹ کیا جائے۔ ایک وسیع میدان میں ایک گول اکھاڑا تجویز کیا۔ اس کے گرد ایک قوس کی شکل کا چبوترا بنایا گیا تاکہ سب لوگ بیٹھ کر تماشا دیکھ سکیں اور شہزادوں کا امتحان بھی لے سکیں۔

جب ٹورنامنٹ کا دن آیا تو پانڈو اور کورو سج دھج کر میدان میں آئے۔ درونا چارج بھی ساتھ تھے۔ سب قرینے سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ سنکھ بجتے ہی ایک ایک شہزادہ میدان میں تیر و تبر سے مسلح ہو کر آتا تھا اور اپنے جوہر دکھا دکھا کر خراج تحسین وصول کرتا تھا جو جو کھیل و کرتب کورو دکھا جاتے تھے وہ

پانڈوں کی محض نقل معلوم ہوتی تھی۔ کیا رعایا۔ کیا امیر وامرا سب ہی پانڈوں کے کمال کو دیکھ دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ اور یدھشٹر ہی کو سب سے قابل سمجھتے پس بکثرت رائے سے ٹورنامنٹ کا فیصلہ یہی قرار پایا کہ یدھشٹر کو گدی کا وارث قرار دیا جائے۔

اس فیصلے سے سب ناخوش ہو گئے اور پانڈووں سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مگر لوگوں کے بیچ بچاؤ سے باہمی تنازع فرو ہوگیا لیکن دونوں طرف دل میں گانٹھ پیدا ہوگئی۔ اور دریودھن تو جل بھن خاک ہی ہوگیا۔ اور رات دن پانڈوں کے غارت کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔

موقع پاکر دریودھن نے راجہ دھرت راشٹر کے کان بھرنے شروع کر دئے اور آخر ان کو ہستناپور سے نکلوا دیا۔

ہستناپور کے نزدیک ورنا ورت ایک مشہور شہر تھا۔ دریودھن نے ایک طرف تو پانڈوں سے اس کی بہت تعریف کرنی شروع کی

اور دوسری طرف راجہ دھرت راشٹر کی زبانی پانڈوں کو
وہاں رہنے کا حکم دلوادیا۔ دوسری چالاکی یہ کی کہ ورناورت
میں پانڈوں کے رہنے کے لئے ایک نہایت نفیس لاکھ
کا محل تعمیر کرایا اور اس مکان میں چونے مٹی کے بجائے رال گندھک کے
ایسے مصالے لگائے کہ ایک چنگاری میں سارا مکان
جل کر خاک ہوجائے۔ پانڈوں کو اس دغا بازی کی کیا
خبر تھی؟ وہ بہت خوشی سے اس محل میں چلے گئے لیکن
پانڈوں کی قسمت اچھی تھی۔ اس محل کو ودُر نے بنایا
تھا۔ وہ بہت نیک آدمی تھا۔ اُسے جب دریودھن کی
شرارت معلوم ہوگئی کہ یہ پانڈوں کے غارت کرنے کے
لئے بنوایا ہے تو اس نے اِس لاکھ کے محل کے نیچے
ایک ایسی سرنگ کھدوادی کہ خطرے کے وقت
اس سرنگ سے پانڈوں اپنی جان بچا کر جنگل میں
نکل جائیں۔ اور یہ بھید پانڈوں کو بھی یہ بتا دیا۔

اس مکان میں ان کی والدہ کنتی بھی ان کے
ساتھ تھیں۔ انھوں نے ایک دن برہمن بھوج
کیا۔ جس میں بہت سے برہمن آکر شریک ہوئے۔

اتفاق سے پانچ برہمن بھی اپنی والدہ سمیت اس میں شامل تھے۔ چار پانچ دن تک برابر جگیہ ہوتا رہا۔ ایک روز رات کو بڑی زور شور کی آندھی چلنے لگی دریودھن نے یہ موقع مناسب سمجھ کر محل میں آگ لگوا دی۔ پانڈو تو آگ کے شعلے پھیلنے سے پہلے محلوں کو چھوڑ کر اس سرنگ کے راستے سے نکل گئے۔ مگر اس محل کے باقی لوگ مع ان پانچوں برہمنوں اور ان کی والدہ کے جل کر خاک سیاہ ہو گئے۔ دریودھن اور اس کے بھائی بڑی خوشی خوشی جلتے ہوئے محل کو دیکھنے کے لئے آئے۔ آگ بجھانے کے بعد جلے محلوں کو کھودوایا تو پانچوں برہمنوں اور ان کی ماں کی لاشیں ملیں۔ وہ یہ سمجھے کہ پانڈوں مع کنتی کے جل گئے اور اب ہم دشمنوں سے بے کھٹکے ہو گئے۔

پانڈو اب بھیس بدل کر عرصہ تک جنگلوں اور بیابانوں میں پھرتے رہے۔ آخر کار ایک جنگل میں جھونپڑی ڈال کر رہنے لگے۔

سوالات

۱۔ درون اچاریہ نے کس بات کی آزمائش کی؟
۲۔ رعایا نے ٹورنامنٹ کر کے کیا فیصلہ کیا؟

۳۔ اس فیصلے کا کیا نتیجہ ہوا؟
۴۔ دریودھن نے پانڈوں کو تباہ کرنے کے لئے کیا تدبیر کی؟
۵۔ لاکھ کے گھر میں آگ لگنے سے پانڈوں کی جان کیونکر بچ گئی؟
۶۔ لاکھ کے گھر سے نکلنے کے بعد پانڈوں نے اپنے دن کیسے گزارے؟

۴۔ دروپدی کا سویمبر

پانچوں پانڈو کچھ دن تک برہمنوں کے بھیس میں بھیک مانگ کے اپنا اور اندھی ماں کا گزارہ کرتے رہے اتنے میں ان کی ملاقات ویاس رشی سے ہوئی۔ جنھوں نے مہابھارت کی کتاب لکھی ہے ویاس جی نے ان کو خبر دی کہ راجہ دروپد جو پانچال دیش میں راج کرتا ہے اپنی بیٹی دروپدی کا سویمبر کرنے والا ہے آپ بھی اس میں شریک ہوں۔ مگر انھوں نے پہلے انکار کر دیا مگر ویاس جی کے سمجھانے بجھانے سے راضی ہوگئے اور دروپدی کے سویمبر میں اپنے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے

راجہ دروپد کی لڑکی دروپدی کے حسن و جمال کا شہرہ دور دور تک تھا اور ہزاروں راجہ اس سے

شادی کرنے کے خواہشمند تھے۔ اس لئے راجہ دروپد کے یہاں پر بہت سے ملکوں کے راجہ جمع ہوئے ایک بڑے میدان کے چاروں طرف خیمے ہی خیمے دکھائی دیتے تھے وہاں ایک مقام پر ایک بڑا اکھاڑا تیار کیا گیا اور اس کے چاروں طرف بڑے بڑے شامیانے تماشائیوں کے لئے لگوائے گئے۔ اکھاڑے کے بیچوں بیچ ایک لمبے بانس پر ایک پہیہ حرکت کر رہا تھا اس کے اوپر ایک سونے کی مچھلی اس طرح لٹکی ہوئی تھی کہ کبھی تو وہ پہیے کے آروں سے چھپ جاتی تھی اور کبھی دو آروں کے بیچ میں دکھائی دینے لگتی تھی۔ سویمبر کی شرط یہ تھی کہ جو شخص پہیے کے آروں کے اندر سے مچھلی کی آنکھ کو تیر سے چھیدے گا اُس کی شادی دروپدی سے ہوگی۔

سویمبر کا دن آگیا شامیانوں کے نیچے دیش دیش کے راجہ سج دھج کر اپنے اپنے رتبہ کے موافق بیٹھ گئے۔ شبھ گھڑی اور شبھ مہورت میں پنڈتوں کی رائے سے کام شروع ہوا۔ راجہ باری باری سے آنے لگے اور تیراندازی کرنے لگے

لیکن کسی سے تیر نشانہ پر نہ لگتا تھا۔ یہاں تک کہ
سب راجہ ہمت ہار کر بیٹھ گئے تب دروپد نے کھڑے
ہوکر بڑی دردانگیز آواز سے کہا بڑا افسوس ہے کہ
بھارت ورش میں اب کوئی بھی ایسا بہادر نہیں رہا جو
میری شرط کو پوری کرتا۔ اسی اثنا میں ایک سمت سے
کچھ شور وغل ہوا اور ایک بانکا ترچھا جوان اکھاڑے
کی طرف تیزی سے بڑھا اور مچھلی کی آنکھ پر نشانہ لگانے
کے لئے تیر کمان کر شست لگائی۔ مگر چکر کی تیزی سے
مچھلی پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی اس لئے تیر کمان ہاتھ میں لیکر
کھڑا ہوگیا اور ایک کڑاہ یعنی کھلے منہ کے برتن میں تیل
منگوا کر بانس کے نیچے رکھوایا تاکہ مچھلی کا سایہ تیل میں
دیکھ کر تیر نشانہ پر ٹھیک لگا سکے۔ اس وقت لوگوں نے
کرن کو پہچان کر شور وغل مچانا شروع کیا کہ کرن کے
خاندان کا ٹھیک حال معلوم نہیں ہے۔ اس لئے ایسے
کسی شخص کو جس کا حسب نسب ہی نہ معلوم ہو دروپدی
کے سویمبر کی شرط پورا کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس پر کرن نے
شرمندہ ہوکر کمان ہاتھ سے رکھ دی اور کوروں کے شامیانے



द्रौपदी स्वयंवर

دروپدی کا سوئمبر

میں چلا گیا سب لوگ حیرت میں تھے کہ دیکھے اب کیا
ہوتا ہے۔ کہ یکایک برہمنوں کے غول میں سے ایک
شخص نکل کر صفوں کو چیرتا ہوا باہر آیا۔ سب کی نگاہیں اسکی
طرف لگ گئیں اس نے اکھاڑے میں پہنچ کر ہاتھ میں
کمان اُٹھالی اور برتن میں مچھلی کی پرچھائیں جب صاف
دکھائی دینے لگی تو اس نے نشست باندھ کر ایک تیر
نشانے پر ایسا مارا کہ وہ چکر میں سے گزر کر مچھلی کی آنکھ
میں جا لگا۔ ساری مجلس واہ واہ کے شور سے گونج اُٹھی
لیکن کوروں نے کھڑے ہو کر کہا کہ اس شخص کے حسب
ونسب کا حال جب تک سب راجاؤں کو معلوم نہ ہو جائے
اس کی شادی درو پدی سے نہیں ہو سکتی۔

ویاس جی نے اس تقریر کو سنکر کورو کی دغا بازی اور پانچوں بھائیوں کے
جان بچانے کا تمام قصہ بھری سبھا میں کہہ سنایا جس سے سب کو
یقین ہو گیا کہ پانڈو ابھی تک زندہ ہیں اور یہ بہادر
ارجن ہے۔ درو پد خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اور درو پدی
کے دل کی کلی کھل گئی۔ وہ جے مال لئے ہوئے آگے
بڑھی اور ارجن کے پاس جا کر اس کے گلے میں ڈالدی

چاروں طرف سے سنکھ اور باجوں کا شور ہونے لگا
اور کورو اپنا سا منہ لے کر رخصت ہوئے۔
یہ پانچوں بھائی جب دروپدی کو لے کر گھر پہنچے تو
اپنی ماں کنتی سے کہنے لگے کہ ہم آج بڑی سندر بھکشا
لائے ہیں۔اس نے دعائیں دیکر کہا کہ تم سب آپس میں
بانٹ لو۔چنانچہ ماں کے حکم سے دروپدی کی شادی
پانچوں بھائیوں سے ہوگئی۔ماں باپ کے حکم پر بچے
کس طرح اپنا سر جھکا دیتے تھے۔ فرماں برداری کی اس
سے بہتر اور کیا مثال ہوسکتی ہے۔
دروپدی کی شادی کے بعد راجہ دروپد پانڈوں کا
مددگار ہوگیا اب پانڈوں نے راجہ دھرت راشٹر سے اپنی
سلطنت مانگی۔ راجہ دھرت راشٹر نے کوروں اور پانڈوں
میں آدھی آدھی سلطنت بانٹ دی۔ مگر دریودھن کی
چالاکی سے پانڈوں کو کھانڈو بن کا غیر آباد علاقہ ملا۔
انھوں نے اسی پر صبر کرلیا۔ جنگل کاٹ کر ویرانہ کو
گلشن بنادیا۔ اندرپرست بسایا۔ نئے راج کی بنیاد
ڈالی۔ یہ دیکھ کر دریودھن کے تن بدن میں آگ

لگ گئی - اُس نے بھائیوں کو بڑی خاطر سے ہستنا پور بلایا اور قمار بازی کا جال بچھایا پانڈوں کی ساری بنی بنائی سلطنت جیت لی اور اُن کو تیرہ برس کا بن باس دلوا دیا۔

سوالات

۱۔ پانڈوں اپنا گزارہ کہاں اور کس طرح کرتے تھے ؟
۲۔ دروپدی کون تھی ؟
۳۔ دروپدی کے سویمبر میں کیا شرط رکھی گئی تھی ؟
۴۔ کرن کے ساتھ شادی کرنے میں کیوں اعتراض کیا گیا ؟
۵۔ ارجن کے ساتھ شادی کس طرح ہوئی ؟
۶۔ پھر پانچوں بھائیوں کی شادی دروپدی سے کیونکر ہوئی ؟

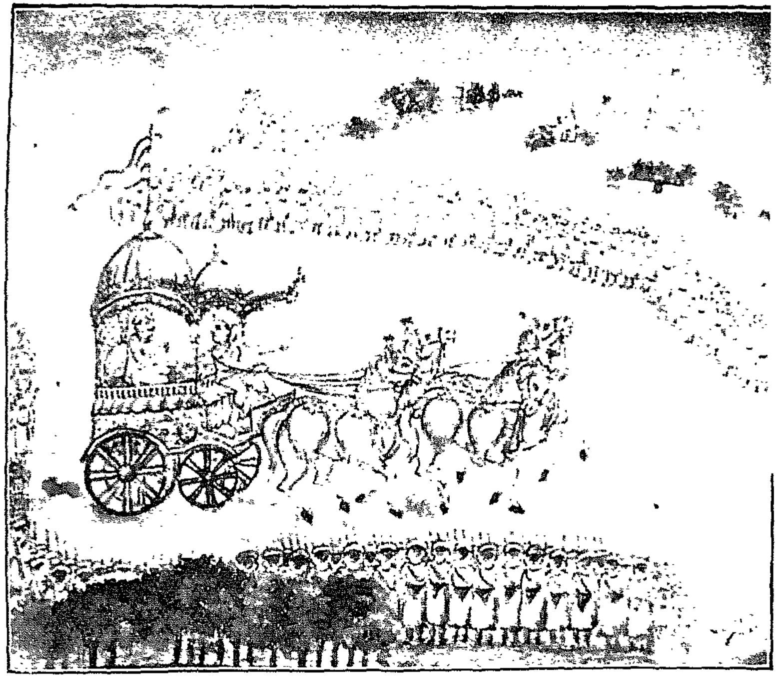
۵۔ مہا بھارت کی لڑائی

جب پانڈوں کی مصیبت کا زمانہ ختم ہوا تو راجہ دروپد نے کوروں سے نصف سلطنت دلوانے کی کوشش کی دریودھن بڑا سنگ دل تھا اُس نے انکار کر دیا سری کرشن جی

کے سمجھانے کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ تلوار سے فیصلہ ہونا تھا سو ہو کر رہا۔ مہا بھارت کی لڑائی کا ایک دن بھی ادھر سے اُدھر نہ ٹل سکا۔

لڑائی سے پہلے یہ شرطیں قرار پائیں کہ شام کو لڑائی بند ہونے کے بعد دوست دشمن سب کو اختیار ہے کہ آپس میں ملیں جلیں۔ سیر و تفریح اور صلاح مشورے کریں دھوکے اور فریب سے کام نہ لیں۔ لڑائی میں نوکروں پر ہاتھ نہ اُٹھائیں۔ رعایا کا نقصان نہ کریں اور گرے ہوئے دشمن پر حملہ نہ کریں۔

دونوں طرف سے لڑائی کا سامان اور تیاریاں ہونے لگیں۔ فوجوں کے دل بادل سے زمین کانپ اُٹھی گھوڑوں کی ہنہناہٹ۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑ اور سنکھوں کی گرج سے بہادری کی لہریں دلوں میں اٹھنے لگیں جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آراستہ ہو گئے اس وقت شری کرشن جی نے ارجن سے کہا کہ میرا رتھ ذرا دونوں لشکروں کے بیچ میں کھڑا کر دو کہ میں ایک نگاہ اپنے پرائے پر ڈال سکوں مہاراج



रणाङ्गण में कृष्णार्जुन.   میدان جنگ میں شری کرشن اور ارجن

شری کرشن نے رتھ کو بیچوں بیچ میں کھڑا کر دیا ارجن کی نظر جدھر اُٹھتی تھی اُدھر ہی اپنے کے سوا کوئی بیگانہ نہ نظر آتا تھا۔ اُس وقت ان کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ میں اپنے کُل کے تمام آدمیوں کو مار کر راج بھی لے لوں۔ تو وہ میرے کس کام کا ہوگا۔ مگر شری کرشن جی نے اس کے تمام شکوک دل سے رفع کر دیئے۔ جس کا مفصّل ذکر گیتا میں ہوا ہے اور یہ سمجھا کر کہ انسان کو اپنا فرض ہر حالت میں ادا کرنا چاہیئے۔ اس کے دل میں پہلا سا جوش و خروش پیدا کر دیا۔

بھیشم جو کوروں کی فوج کے سردار اور بزرگ تھے۔ لڑنے کے لئے میدان میں آئے۔ یدھشٹر نے بڑے انکسار سے اُن کے سامنے ہتھیار اُٹھانے کی اجازت مانگی اور اُنھوں نے بخوشی اس کی درخواست کو قبول کیا۔ اُن سے اجازت لے کر اپنی فوج میں واپس آئے تو دونوں طرف سے لڑائی کے نعرے بلند ہوئے۔ لشکروں میں ہلچل مچ گئی۔ تیروں کی

وہ بارش ہوئی کہ اندھیرا چھا گیا۔ گرزوں کی دھمک سے
دل دہل گئے فولادی خود شیشے کی طرح چکنا چور ہو گئے
تلوار اس زور سے چلی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے
جدھر دیکھو زمین لال تھی اور سروں کے انبار لگے
ہوئے تھے۔ نو دن تک لڑائی کا بڑا زور رہا اور کسی
طرف فیصلہ نہ ہوا۔ بھیشم پتامہ کے سامنے ارجن اور
بھیم کی ایک پیش نہ گئی۔ آخر یہ دن بھی گزرا سورج
چھپتے ہی لڑائی بند ہو گئی پانڈوں نے دشمن کی فوج
میں جا کر بھیشم پتامہ سے مشورہ کیا۔ اور فتح حاصل
کرنے کی تجویز پوچھی بھیشم پتامہ نے نہایت فراخ دلی
سے کہا کہ بغیر میرے مارے فتح ہونا ناممکن ہے۔

دسویں روز پھر دونوں فوجیں جوش سے مقابل میں
آ گئیں۔ لڑائی زور سے ہونے لگی۔ ارجن نے بھیشم پتامہ
کے مقابل ہو کر ایسے تیر چلائے کہ ان کے بدن کے
نیچے تیروں کی سیج بن گئی۔ کوروں کی فوج میں کہرام
مچ گیا لڑائی بند ہو گئی۔ پانڈوں کو بھی بڑا رنج ہوا۔
مزاج پرسی کے لئے کوروں کے لشکر میں گئے بھیشم پتامہ



भीष्म की शर-शैय्या

بھیشم کا تیروں کا بستر

نے ارجن کی آواز سُن کر آنکھیں کھول دیں۔ اُس کی بہادری کی بڑی تعریف کی۔ پھر دریودھن کو بُلایا۔ سمجھانے لگے کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو۔ صلح کر لو۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ ناحق رعایا کا خون نہ کرو۔ کہنا مان لو ورنہ نتیجہ بُرا ہوگا اور سچائی کی فتح ہوگی۔ مگر دریودھن کے دل پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ اور کچھ عرصہ بعد یہ سب کو نصیحتیں کر کے پرلوک کو سدھار سے۔

پہلے دس روز بھیشم کی کمان میں لڑائی ہوتی رہی۔ اس کے بعد پانچ دن تک کوروں کے لشکر کی باگ درون آچاریہ کے ہاتھ میں رہی۔ ان کے بعد تین دن تک کرن سپہ سالار رہے۔ کرن کے قتل ہوتے ہی کوروں کی آس ٹوٹ گئی مگر دریودھن نے پھر بھی اپنی ضد نہ چھوڑی اٹھارھویں روز بڑے زور شور سے لڑائی ہوئی۔ بڑے بڑے نامی گرامی راجاؤں کے نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ ہزاروں بہادر سردار لڑائی میں کام آئے۔ آخر کار پانڈوں کی فتح ہوئی۔

اب دریودھن باقی ماندہ فوج سمیٹ کر مقابلہ کے لئے
لایا مگر پھر شکست فاش ہوئی - خود زخمی ہوکر بھاگا اور
ایک تالاب میں جاکر چھپ گیا - پانڈوں نے پیچھا
نہ چھوڑا جائے پناہ سے باہر نکال کر لڑنے پر آمادہ
کیا - بھیم سین اور دریودھن کی گرزوں سے لڑائی ہوئی
مگر بھیم سین کے گرزوں کی چوٹ سے دریودھن کی
ہڈیاں چور چور ہوگئیں - آخری چوٹ میں بل کھاکر ایسا
گراکہ پھر کبھی اٹھنے کا نام نہ لیا - اس طرح دریودھن
نے اپنے کئے کی سزا پائی - بھیشم کے قول کے مطابق
سچائی کی ہی جیت ہوئی -

اتنی خونریزی کے بعد یدھشٹر کو ہستناپور کا راج
نصیب ہوا - بہت عرصے تک وہ بڑی خوبی سے سلطنت
کا انتظام چلاتے رہے جس سے رعایا کے لئے ست جگ
ہوگیا - مگر پانچوں بھائیوں کی طبیعت دنیا سے سیر ہوچکی
تھی اس لئے وہ دروپدی سمیت ہمالیہ پہاڑ میں جاکر
گوشہ نشین ہوگئے -

سوالات

۱ - مہا بھارت کی لڑائی کے کیا کیا اسباب تھے ؟

۲ - ارجن کو سری کرشن نے لڑائی کے لئے کیونکر آمادہ کیا ؟

۳ - اس کے ہتھیار ڈال دینے کا کیا سبب تھا ؟

۴ - بھیشم کا کیا انجام ہوا ؟

۵ - اس لڑائی سے کیا نقصانات ہوئے ؟

۶ - شری کرشن چندر جی

شری کرشن چندر جی کے زندگی کے حالات اس قدر دلچسپ ہیں کہ دُنیا میں ان سے لاکھوں عجیب وغریب افسانے بن گئے ہیں - اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ یہ بچپن ہی سے کچھ ایسے ہونہار تھے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب ان کے کاموں کو دیکھ کر حیرت کرتے تھے -

ایک دفعہ شری کرشن چندر جی اپنے گوال بالوں کے ساتھ جمنا جی کے کنارے ایک میدان میں گیند کھیل

رہے تھے۔ اتفاق سے بلرام جی نے ایسے زور کی ہِٹ لگائی کہ گیند جمنا جی کے اندر بہت ہی زیادہ گہرے پانی میں جا گری۔ اس حصہ کا نام کالی دہ تھا۔ سارے گوال بال گیند کے گم ہو جانے سے اداس ہو گئے۔ شری کرشن جی نے ان کی بھولی بھالی صورتوں کو کمھلایا ہوا دیکھ کر کپڑے اتار ڈالے اور جمنا جی میں کودنے کو تیار ہو گئے۔ سب لڑکوں نے بہتیرا سمجھایا کہ گیند کے پیچھے آپ اپنی جان نہ گنوائیں۔ مگر انھوں نے ہمت نہ ہاری فوراً پانی میں کود پڑے۔ اور غوطہ لگا کر گیند کو ہاتھ میں لئے اوپر چلے آئے۔ کہتے ہیں کہ اس گہرے پانی میں ایک کالے ناگ اور ناگن کا جوڑا رہا کرتا تھا۔ کرشن جی کو جمنا جی میں غوطہ لگاتے ہوئے دیکھ کر یہ دونوں بڑے خوش ہوئے۔ اور گیند ڈھونڈھ کر انھوں نے کرشن جی کے ہاتھ میں دے دی اور اُن کو اپنے پھنوں پر سوار کر کے کنارے تک پہنچا گئے۔ اس قصے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کالی دہ کتنی خطرناک جگہ ہو گی۔ اور ایک

چھوٹے سے لڑکے کے لئے اتنی گہرائی سے ایک گیند تلاش کرکے لانا کیسا جرأت کا کام تھا - گو ناممکن ہرگز نہیں کیونکہ تم نے اکثر گنگا جی سے چھوٹے چھوٹے غوطہ خور لڑکوں کو دونی - چونی وغیرہ نکال کر لاتے ہوئے دیکھا ہوگا - مگر یہ گاؤں والوں کے لئے عجیب بات تھی اور اسی وجہ سے شاید انھوں نے یہ قصہ گڑھ کر مشہور کر دیا ہوگا -

شری کرشن جی کو بانسری بجانے میں وہ کمال حاصل تھا کہ بنسی کی تان سن کر تمام گائیں فوراً ہی اُن کے گرد آ کر اکٹھی ہو جاتی تھیں - اور بن میں چرنے کے لئے یا بن سے گھر واپس آنے کے لئے تیار ہو جاتی تھیں - بعض لوگوں نے اس کو بھی مبالغہ کے ساتھ مشہور کر دیا اور یہ بات ناممکن معلوم ہونے لگی کہ بانسری کے سروں کا گائے بچھڑوں پر اتنا اثر کیونکر ہو جاتا تھا اور وہ ایک جگہ کیسے اکٹھے ہو جاتے تھے - جس نے کبھی سرکس میں گھوڑوں بکروں اور امریکہ کی گایوں کے تماشے دیکھے ہیں اس کو تو ضرور یقین ہو جائیگا

کہ ایسا ہو سکتا ہے اور گائیں شری کرشن جی کی بانسری کی تان پر جمع ہی نہ ہو جاتی ہوں گی بلکہ ناچتی بھی ہونگی۔

جب کرشن جی بڑے ہوئے تو اُنھیں معلوم ہوا کہ راجہ اُگرسین کو گدی سے اُتار کر ان کا لڑکا کنس مدت سے ملک پر بڑے ظلم کر رہا ہے اور رعایا اس سے ناخوش ہے۔ پس سری کرشن نے کنس کو مار کر اُگرسین کو تخت پر بٹھا دیا اور دوارکا جی کو اپنے گھر واپس چلے گئے۔ اُن کی ایسی عجیب و غریب مدبّرانہ باتوں سے رعایا کے دل میں اُن کی بڑی عزّت ہوگئی۔ اور یہ اپنی اس حکمت عملی کے باعث تمام ہندوستان میں مشہور ہوگئے۔

چنانچہ جب کوروں اور پانڈوں میں باہم تکرار ہوگئی تو دونوں کرشن جی کو اپنا طرف دار بنانے کے لئے خواستگار ہوئے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دُنیا میں سری کرشن جی کی برابر اور کوئی راجہ مہاراجہ ایسا زبردست باتدبیر مدبّر نہیں ہے اس لئے یہ جس کی طرف ہو جاویں گے اُسی کی جیت ہوگی۔

مہا بھارت کی لڑائی میں جو حصہ سری کرشن چندر جی



रण-निमंत्रण

ارجن اور دریودھن کا شری کرشن سے مدد مانگنا

نے لیا اُس کا حال تم کو سب معلوم ہی ہے - کہ یہ
ارجن کے رتھ بان بنکر کس طرح میدان جنگ میں پہنچے
اور کن ترکیبوں سے انھوں نے ارجن کا دل بڑھاکر
اُس کو لڑنے پر آمادہ کیا - اور آخر میں پانڈوں کی
کس طرح جیت ہوئی اس کا سارا حال مہا بھارت
میں درج ہے - ارجن کو جو جو نصیحتیں دی ہیں - وہ
گیتا میں بیان کی گئی ہیں - گیتا کی چند نصیحتوں کا
ذکر کر دینا واجب معلوم ہوتا ہے تاکہ ہندوستان کے
سپوت بھی بہادر بن کر اپنے فرائض کو بے خوف و خطر
انجام دے سکیں - اُن کا قول ہے کہ ہمارے جسم میں
جو چیز بولتی ہے وہ روح ہے - وہ نہ تو آگ سے جل
سکتی ہے نہ تلوار سے کٹ سکتی ہے - نہ پانی میں
ڈوب سکتی ہے نہ اس کو دکھ ہوتا ہے اور نہ سکھ -
جس طرح سے ایک لڑکا پُرانے کپڑے اُتار کر نئے
کپڑے پہن لیتا ہے اُسی طرح ہماری روح ہمارے
جسم کو چھوڑ کر اپنے لئے دوسرا جسم تیار کر لیتی ہے
اس لئے لڑکوں کو اپنے جسم کے کٹ جانے یا مر جانے

سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہئے اور اپنے فرض منصبی کو بجا لانے میں اپنی جان کی مطلق پروا نہ کرنی چاہئے بزدلوں کو بات بات میں موت آتی ہے مگر بہادر ایک ہی مرتبہ مرتا ہے۔ اول مرنا۔ آخر مرنا۔ پھر مرنے سے کیا ڈرنا۔

سوالات

۱۔ سری کرشن جی کے بچپن کی کوئی کہانی سناؤ؟

۲۔ ان کو کس کس بات میں کمال حاصل تھا؟

۳۔ ان کی حکمت عملی کی کوئی مثال پیش کرو؟

۴۔ ثابت کرو کہ یہ ہندوستان کے راجاؤں میں اپنی حکمت عملی کے باعث بے نظیر ہوئے۔

۵۔ انھوں نے کیا نصیحت کی؟

۶۔ رام چندر جی اور شری کرشن جی کی زندگیوں سے ہمیں کیا کیا سبق ملتے ہیں؟

۷۔ موت سے ڈرنے والے دنیا کے کن کن کاموں کو نہیں کر سکتے؟

۸۔ نئی باتیں دریافت کرنے والوں کا تمہیں کوئی قصہ یا کہانی یاد ہو تو لکھو۔

۳۔ شاکیہ منی گوتم بدھ

۱۔ بچپن اور جوانی کا زمانہ

کوئی اڑھائی ہزار برس سے بھی زیادہ کی بات ہے کہ ہمالیہ پہاڑ کی ترائی میں شاکیہ قوم کی ایک ریاست تھی۔ جہاں آجکل گورکھپور اور بستی کے اضلاع آباد ہیں کپل وستو راجدھانی تھی۔ راجہ شدودھن یہاں راج کرتے تھے۔ ان کے دو رانیاں تھیں۔ مہارانی مہامایا اور پرجاوتی گوتمی۔ دونوں رانیوں کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ بڑے دھاے مناۓ سے مہارانی مہامایا حاملہ ہوئیں اپنے میکے جارہی تھیں کہ راستے میں نیپال کی ریاست میں لُمبنی باغ میں راج کمار پیدا ہوا۔ ٹھیک ماگھ کی پورن ماشی کی رات تھی۔ سدھارتھ نام رکھا۔ سات دن کے بعد ماں کا انتقال ہوگیا۔ رانی پرجاوتی گوتمی نے پالنا شروع کیا۔ بڑے ہوکر رانی گوتمی کے احسان کو

کبھی دل سے نہ بھلایا۔ ان کی یادگار کے لئے گوتم کا لفظ بدھ کے لقب سے پہلے اختیار کیا۔ شاکیہ خاندان کا نام زندہ رکھنے کے لئے شاکیہ مُنی کہلاتے ہیں۔

ان کی جائے پیدائش کے پاس ایک پتھر کا ستون قائم ہے۔ ہزاروں جاتری اس مقدس مقام کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ اور اس کی زیارت کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ شہزادہ سدھارت نے پانچ برس کی عمر سے پڑھنا لکھنا شروع کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں مذہبی کتابیں پڑھنے۔ گھوڑے کی سواری۔ تیر اندازی اور شکار کرنے میں ماہر ہو گئے۔ مگر بچپن ہی میں کچھ ایسے رحم دل اور خدا ترس تھے کہ کسی کی تکلیف دیکھنا گوارا نہ کر سکتے تھے۔

ایک دن باغ میں دوستوں کے ساتھ کھیل رہے تھے برسات کا موسم تھا۔ شام کے وقت ہلکی ہلکی دھوپ نکل رہی تھی۔ نیلے آسمان پر سفید سفید ہنسوں کی قطار قائیں قائیں کرتی جا رہی تھی۔ سب لڑکوں کی آنکھیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ایک ساتھی



हंस और सिद्धार्थ ہنس اور سدھارتھ

نے تیر کمان اُٹھا کر ایسا تیر مارا کہ ایک ہنس ڈار میں سے قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر آ گرا۔ سدھارتھ اپنے ساتھی پر بہت خفا ہوئے۔ فوراً دوڑے دوڑے گئے۔ ہنس کو اٹھا لیا۔ اس کے زخم دھوئے۔ مرہم پٹّی کی اور اچھا کر کے پال لیا۔ وہ ان سے اتنا ہل گیا کہ ہر وقت ساتھ رہنے لگا۔

جب یہ ذرا بڑے ہوئے۔ ہوش سنبھالا۔ تو دل اور بھی نرم ہو گیا۔ شکار کھیلنے نکلتے۔ ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال دیتے۔ کمند سے ہرن کو پکڑ لیتے۔ مگر بھولی بھالی صورت کو غمگین دیکھ کر چھوڑ دیتے کہ بے زبان جانور کو کیوں ستاؤں۔ دوڑتے ہوئے گھوڑے کو ہانپتے ہوئے سن کر رہا نہ جاتا۔ فوراً دھیما کر لیتے تھے کہ غریب جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔

راجہ شدھودن کو بیٹے کی عجیب و غریب باتوں سے یقین ہو گیا کہ یہ کسی نہ کسی دن فقیر ہو جائے گا۔ سنیاسیوں کا چولا پہن کر بنوں کو نکل جائے گا۔ اس کو کسی طرح قابو میں لانا چاہیئے۔ تاکہ میرے بعد

سلطنت کا کام چلا سکے۔
اس کے خیالات تبدیل کرنے کے لئے شہزادی یشودھرا سے شادی کر دی۔ عالیشان محل بنوا دئے۔ باغ لگوا دئے۔ ہر وقت خوش رکھنے کے لئے ناچ گانے والیاں مقرر کر دیں۔ محفلوں اور جشنوں میں لگانا چاہا۔ مگر سدھارتھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کو یہ سب بچوں کی سی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ جن سے تھوڑی دیر کے لئے دل بہل جائے اس لئے محفلوں سے اٹھ کر پوچھتا تھا۔ اب وہ خوشی کہاں گئی ؟ یہ کیسے قایم رکھی جائے؟ میں تو ایسی خوشی کی تلاش میں ہوں جو ہمیشہ قایم رہے۔

راجہ جی اب بوڑھے ہو گئے تھے۔ پوتا بھی ہو گیا تھا۔ مگر بیٹے کی طرف سے کھٹکا دور نہ ہوتا تھا۔ ریاست کا کام کاج بندوبست اور انتظام کرنے کا طریق سمجھانا چاہتے تھا۔ روز شام کو اپنے ساتھ سدھارتھ کو سیر کرانے کے لئے جاتے تھے۔ باتوں باتوں میں سلطنت کے ڈھنگ بتاتے تھے۔ مگر سدھارتھ جو چیز دیکھتا تھا

اسی کے مشاہدے میں لگ جاتا تھا۔ اسی پر بحث ومباحثے شروع کر دیتا تھا۔ اور اپنے نتیجے نکالنے لگتا تھا۔

ایک دن ایک مریض کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ دیکھا کہ بخار سے بدن پھنک رہا ہے۔ پیاس کی شدت سے زبان اینٹھ گئی۔ سارے جسم میں درد سے بیکلی ہے۔ آنکھیں بیٹھی جاتی ہیں۔ کمزوری سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا ہے۔ سوچنے لگا کیا یہ بیماری سب کو ہوتی ہے؟ کیا مجھے بھی ایک دن ایسی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ روگ اور بیماری دکھ کا گھر ہیں۔ یہ جسم کے ساتھ ہیں۔ راجہ سے پوچھنے لگا کیا کوئی تدبیر ایسی بھی ہے کہ ان بیماریوں اور روگوں سے انسان کا چھٹکارا ہو جائے۔ راجہ جی نے جواب دیا کہ یہ تو جسم کے ساتھ ہیں۔ ان سے کون بچ سکتا ہے۔ اس لئے ان سے کیوں ڈرتے ہو۔

ایک دن سڑک پر ایک بوڑھے آدمی کو جاتے دیکھا۔ بڑھاپے سے کمر جھک کر کمان ہو گئی

تھی۔ بدن پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہڈیوں پر گوشت کا نام تک نہ تھا۔ لکڑی کے سہارے چلتا تھا۔ قدم قدم پر سانس پھولنے لگتا تھا۔ راجہ جی سے پوچھنے لگا۔ کیا بڑھاپا سب کو آتا ہے؟ کیا میری بھی کبھی یہی حالت ہوگی؟ کیا آپ مجھے کوئی تدبیر بتا سکتے ہیں کہ بڑھاپا نہ آئے؟ یہ دکھ اور مصیبتیں نہ اُٹھانی پڑیں؟ راجہ جی خاموش ہو گئے۔

چند روز بعد شہزادے کو راستے میں ایک لاش نظر آئی۔ معلوم ہوا کہ مردے کو لوگ جلانے کے لئے لیجا رہے ہیں۔ اپنے پتا جی سے پھر سوال کرنے لگا ۔ کیا سب کو ایک دن مرنا ہوگا؟ کیا مجھے بھی موت آئے گی؟ کیا کوئی تدبیر ایسی ہو سکتی ہے کہ موت سے بچ سکے؟ راجہ جی نے جواب دیا ان سب کی دوا نجات ہے۔

شہزادے نے پھر دریافت کیا کہ نجات کیسے ملتی ہے۔ اس کو میں کیسے حاصل کر سکتا ہوں۔ راجہ جی سے کچھ جواب بن نہ پڑا۔ آخر کار سدھارتھ

نے اسی دن سے یہ عہد کیا کہ جب تک دنیا کی ان مصیبتوں سے چھٹکارا پانے کی تدبیر نہ نکال لوں اور سب آدمیوں کی تکلیفوں کو دور کرنے کا علاج نہ معلوم کرلوں۔ اس وقت سلطنت کے کاموں کو ہاتھ میں نہ لونگا۔ محلوں میں چین سے نہ بیٹھوں گا۔

سوالات

۱۔ سدھارتھ کو شاکیہ منی یا گوتم بدھ کیوں کہتے ہیں؟
۲۔ ان کی پیدائش کا حال بتاؤ؟
۳۔ نرم دلی کی مثالیں دو؟
۴۔ راجہ شدودھن نے خیالات تبدیل کرنے کی کیا کوشش کیں؟
۵۔ کن حادثوں نے ان کا جی اچاٹ کردیا؟
۶۔ سدھارتھ نے کیا عہد کیا۔

۲۔ ریاضت اور بدھ مذہب کی اشاعت

اساڑھ کی پورن ماسی کی رات کو سدھارتھ اپنی بیوی اور بچوں کو محل میں سوتا ہوا چھوڑ کر جنگلوں

میں نکل گئے۔ صبح ہوتے ہی انوما ندی کے کنارے سارے کپڑے اور زیور اتار دیے۔ چھندک نامی سائیس کو گھر روانہ کیا۔ آپ ندی کو پار کر کے بنوں میں گھومنے لگے۔

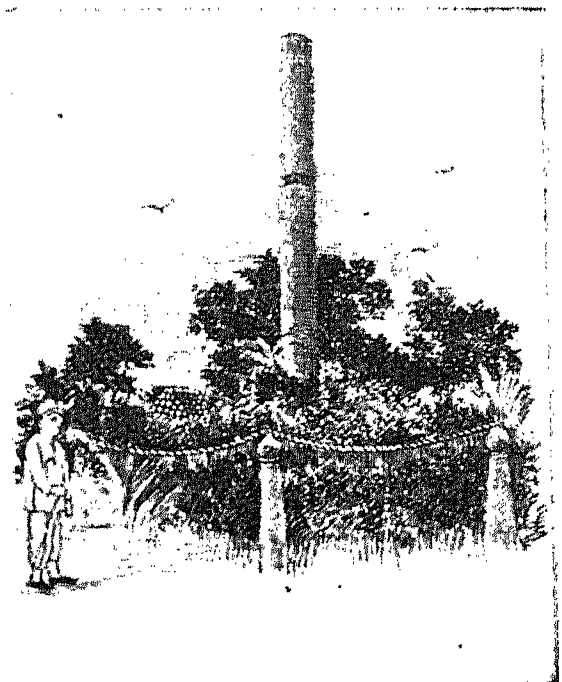
پہلے تو بڑے بڑے سادھو مہاتماؤں کے درشن کئے۔ چار وید اور چھ شاستر پڑھے۔ مگر کچھ سیری نہ ہوئی۔ گیا کے قریب اروولویں بن میں تپسیا پر کمر باندھی۔ برت رکھے۔ راتوں کو آنکھوں میں کاٹا۔ بدن سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔ آنکھیں چہرے کے اندر دھنس گئیں۔ ریڑھ کا بانس پیٹ کے اندر سے معلوم ہونے لگا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گئے۔ مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

ایک روز ندی میں اشنان کرنے کے لئے گئے۔ اتنے کمزور تھے کہ نہا دھو کر کنارے پر نہ چڑھ سکے۔ پہروں تک وہاں بیہوش پڑے رہے۔

سدھارتھ جب ہوش میں آئے تو بڑے پریشان ہوئے۔ مگر اپنے دل کو تسلی دیکر ایک درخت کے نیچے



گوتم بدھ



اشوک کی لاٹ

بیٹھ گئے اور سمادھی لگالی۔ اتفاق سے اس جگہ سوجاتا آنکلی۔ یہ ایک مہاجن کی لڑکی تھی۔ بن کے دیوتا پر کھیر چڑھانے آئی تھی۔ سدھارتھ کو سمادھی میں دیکھ کر سمجھی کہ یہی بن کے دیوتا ہیں۔ کھیر کا تھال بھوگ لگانے کے لئے سامنے رکھ دیا۔ اتنے میں سدھارتھ کی آنکھ کھلی۔ بھوک لگی ہوئی تھی۔ پیٹ بھر کر کھیر کھائی آنکھوں میں کچھ دم آیا۔ بدن میں طاقت آئی۔ اس دن سے انھوں نے برت کر کے بدن کو تکلیف دینا چھوڑ دیا اور ریاضت ترک کردی۔

چند روز بعد بودھی ورم میں ایک بڑ کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر دھیان کرنے لگے۔ اپنے سوالات پر غور و فکر کرنا شروع کیا۔ دل کے شبہے دور ہوئے۔ گیان کی روشنی سے دل روشن ہو گیا۔ چہرے پر روحانی آگئی۔ اطمینان اور تسکین حاصل ہوئی۔ شانتی نصیب ہوئی۔ دنیا والوں کے دکھ دور کرنے کا بھید معلوم ہو گیا۔ اسی وقت سے اپنا نام شاکیہ منی گوتم بدھ اختیار کیا۔

٥

اب ان کے دل میں دنیا کی تکلیفیں دور کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ سب سے پہلے وہ رشی تپن میں پہنچے۔ یہ بنارس کے قریب اب سارناتھ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ان کے خیالات سن کر بہت سے لوگ معتقد ہو گئے۔ وہ اپنے چند چیلوں کو لے مذہب کی اشاعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بنارس میں تعلیم دیتے ہوئے راجگڑھ پہنچے۔ وہاں ببسار راجہ نے اپدیش لیا۔ بدھ دھرم کی اشاعت ہونے لگی۔ ماں باپ نے کپل وستو بلایا۔ بیوی اور بچے سے ملے۔ سب کو بدھ مت کے اصول سمجھائے۔ شہر نے ان کے مذہب کو قبول کیا۔ پھر پاٹلی پتر۔ کاشی۔ پریاگ وغیرہ شہروں میں مذہب کی تلقین کرتے ہوئے ایک گاؤں میں پہنچے۔ اس کا نام پاوا تھا۔ یہاں پیچش ہو گئی۔ مگر انھوں نے کچھ پروا نہ کی۔ مرض بڑھتا گیا۔ اسی برس کی عمر ہو گئی تھی۔ ارادہ مضبوط تھا۔ اس لئے بیماری میں بھی دورہ جاری

رکھا۔ آہستہ آہستہ کشی نگر جا پہنچے۔ بدن میں
بالکل طاقت نہ رہی تھی۔ موت کا وقت
قریب آنے لگا۔ اپنے ایک چیلے انند کو بلایا
اور ہدایت کی کہ "میرا جسم کمزور ہوتا جاتا ہے۔
میرا وقت آ گیا ہے۔ موت سے بچنا محال ہے۔
میرے بعد بدھ مذہب کے اصولوں کا اسی طرح
اپدیش کرتے رہنا۔ تاکہ دنیا کے لوگوں کا دُکھ
دور ہو"۔ یہی کہتے کہتے چولا چھوڑ دیا اور پرلوک
کو سدھار گئے۔

ان کے مذہب کے خاص خاص اصول یہ
ہیں۔ سچائی ہی سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔
کسی جاندار کو تکلیف دینا گناہ ہے۔ انسان
کو اپنے اعمال کے مطابق سزا وجزا ملتی ہے۔ اور ذات
پات کا خیال بے سود ہے۔

مہاتما گوتم بدھ کی زندگی کے واقعات یاد رکھنے
سے بڑا فائدہ ہوگا۔ اول تو ان کی تصویریں دیکھتے
ہی فوراً سمجھ میں یہ بات آ جائیگی کہ اس میں کس واقعہ کا نقشہ

کھینچا گیا ہے۔ دوسرے ان کی مورتیوں کو دیکھنے سے پہچان سکتے ہیں کہ یہ کس زمانے اور کس حالت کو بیان کرتی ہے تیسرے ان کی ستوپوں اور تیرتھوں اور لاٹوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ایک ایک بات سمجھ میں آجائیگی کہ بدھ مت کے ماننے والوں نے انھیں کہاں کہاں بنایا ہے۔ اور کس کس واقعہ کی یادگار قائم ہے۔ ہر ایک عجائب خانے میں بدھ جی کے بہت سے بت دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان کے مشاہدے سے بہت سی عجیب وغریب باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان سے عمدہ عمدہ سبق ملتے ہیں۔ تسکین قلبی حاصل کرنے کے لئے بدھ مت کے اصولوں کی پابندی بہت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ ان کی تعلیم کی وجہ سے ہندوؤں نے بھی ان کو اوتار کا درجہ دے دیا ہے۔

سوالات

۱۔ ان کو کس طرح گیان حاصل ہوا؟

۲۔ انھوں نے بدھ مذہب کی کس طرح اشاعت کی؟

۳۔ آنند کو کس طرح اپدیش دیا؟

۴۔ بدھ جی کے زندگی کے واقعات یاد رکھنے سے کیا کیا فائدے حاصل ہونگے؟

۴۔ چندر گپت واشوک

۱۔ چندر گپت موریہ

دریائے گنگا کے کنارے شمالی ہند کا جو حصّہ اب صوبۂ بہار کہلاتا ہے زمانہ قدیم میں اس کا نام مگدھ تھا۔ پاٹلی پتر اس کا دارالسلطنت تھا جس کے کھنڈر پٹنہ کے قریب ابھی ملتے ہیں۔ یہاں نند خاندان کے راجہ حکمراں تھے۔ یہ ذات کے تو شودر تھے لیکن قسمت کے ایسے دھنی تھے کہ ایک ادنیٰ حالت سے ایسے عروج کو پہنچ گئے کہ ہندوستان کے شاہنشاہ بن گئے۔ اس خاندان کے زمانے میں مگدھ دیش بڑا خوش حال بارونق اور سرسبز تھا۔ اس خاندان کا سب سے زبردست راجہ مہانند تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے دو رانیاں تھیں۔ پہلی سے آٹھ لڑکے تھے لیکن دوسری ایک مُرا نامی رذیل قوم کی عورت تھی جس کو راجہ نے اپنے محل میں داخل کرلیا تھا۔

اس کے بطن سے چندر گپت موریہ نامی ایک لڑکا پیدا ہوا جو بڑا صاحب تدبیر اور ہوشیار تھا اور تخت کے اصلی وارثوں سے ملک گیری اور علمی لیاقت میں کہیں سبقت لے گیا تھا۔

اتفاق سے مہانند نے چندر گپت سے ناراض ہوکر اس کو اپنے دربار سے نکال دیا۔ جس وقت سکندر اعظم ہند پر حملہ آور ہوا۔ چندر گپت نے اس سے راجہ مگدھ کے خلاف لڑنے کے لئے مدد مانگی۔ مگر سکندر کی فوج تھکی ہوئی تھی اس لئے اس نے انکار کر دیا۔ سکندر کے ہندوستان سے رخصت ہوتے ہی اس نے سرحد پر زور پکڑا۔ اور یونانیوں کو ملک سے نکال دیا۔ بعد ازاں مگدھ کے راجہ پر چڑھائی کرکے اس کو تخت سے اتار کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔

تخت پر بیٹھتے ہی اس نے اپنی مدبری اور جواں مردی کے جوہر دکھانے شروع کئے سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ پنجاب بھی اس کے قبضہ میں آگیا۔ اس عرصہ میں سکندر اعظم کا ایک افسر سلیوکس آکر پنجاب پر پھر

قابض ہوگیا تھا۔ جب یہاں چندرگپت کا فروغ ہوتے دیکھا۔ تو اُس نے فوج کشی کی۔ چندرگپت کے اقبال کا ستارہ بلندی پر تھا۔ سلیوکس کو شکست ہوئی اور اس نے بمشکل تمام ایک صلح نامہ لکھ کر اپنی جان چھڑائی۔ اس صلح نامہ کے رو سے سلیوکس کو اپنی بیٹی کی شادی چندرگپت سے کرنی پڑی۔ چندرگپت نے ایک یونانی سفیر کو دربار میں رہنے کی اجازت دی اور پانسو ہاتھی سلیوکس کے نذر کئے۔

اس طرح چندرگپت تمام ہندوستان پر قابض ہوکر بادشاہ ہوگیا عرصے تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کرتا رہا۔ اس کے دربار میں سب سے پہلا یونانی سفیر میگستھنیز آیا تھا۔ جس نے اپنی کتاب میں شہر پاٹلی پتر کا حال نہایت ہی دلچسپ لکھا ہے اُس زمانہ کے انتظام سلطنت کا ایسا فوٹو اتارا ہے کہ دل سے بھلانا مشکل ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”ہندوستان کے لوگ صلح کل۔ شجاع اور دیانت دار ہیں۔ بڑی صفائی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ زبان کے سچے اور

وعدے کے سچے ہیں یہاں چوری کا نام ونشان تک
نہیں۔ اپنے مذہب کے پابند اور نجوم کے بڑے ماہر
ہیں۔ یہاں دو مذہب ترقی پر ہیں۔ ایک بدھ دوسرا
ہندو۔ پاٹلی پتر کے محلوں کی خوبصورتی اور دیواروں
کی خوبی۔ شاہی جلوس اور سواری کا ذکر سننے کے
قابل ہے۔ میگستھنیز لکھتا ہے کہ راجہ سونے چاندی
کے برتنوں میں کھانا کھاتا ہے۔ فوج میں رتھ۔
ہاتھی اور گھوڑوں کے علاوہ چھ لاکھ پیادے اور
چالیس ہزار سوار ہیں۔ رعایا خوش حال ہے۔
کسان محنت و مشقت سے کھیتی کرتے ہیں۔ کاریگر
اور تاجر اپنے فن میں کمال رکھتے ہیں یہاں کے
عالم و فاضل ایسے قانع ہیں کہ دنیا کے مال و
دولت پر لات مار کر گوشۂ تنہائی میں رہنا پسند
کرتے ہیں۔ بڑے بڑے یونانی حکما ان کے سامنے
پانی بھرتے ہیں۔ اپنے مذہب کے ایسے پابند
ہیں کہ مندروں۔ ستوپوں اور رتھوں کے بنانے میں
تمام زندگی صرف کر دیتے ہیں۔ یہاں کے متبرک مقامات

متھرا اور درسگاہیں دیکھنے کے قابل ہیں۔

سوالات

۱۔ چندرگپت کیسے بادشاہ بنا؟

۲۔ سیلیوکس کون تھا؟

۳۔ چندرگپت اور سیلیوکس سے کیوں لڑائی ہوئی؟

۴۔ صلحنامہ کی شرائط کیا تھیں؟

۵۔ میگستھنیز نے اس زمانے کے ہندوستان کے لوگوں کی نسبت کیا لکھا ہے؟

۶۔ پاٹلی پتر کیسا شہر تھا؟

۲۔ اشوک

زمانہ گذشتہ میں ملک مگدھ پر راجہ بندوسار حکومت کرتا تھا۔ اس کے کئی لڑکے تھے۔ لیکن ان میں اشوک سب سے زیادہ عقلمند تھا۔ اس لئے اس نے تھوڑی سی عمر میں بہت سا علم و کمال حاصل کرلیا تھا۔ جب راجہ کا بڑھاپا آیا تو اس کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ولی عہد کس کو مقرر کیا جاوے۔ چنانچہ اس نے لڑکوں

سے اُستاد کو طلب کیا اور پوچھا کہ میں کس کو ولی عہد بناؤں۔ آخر دونوں کے مشورے سے یہ بات طے پائی کہ کل لڑکوں کا امتحان لیا جاوے۔ جو سب سے زیادہ عقلمند ٹھہرے وہی ولی عہد بنایا جائے۔

راجہ نے سب لڑکوں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگ کل سب سے اچھی سواری پر چڑھ کر دربار میں آنا۔ اچھی جگہ پر بیٹھنا اور اپنی مرضی کے مطابق کھانے کھانا۔ اس آزمائش میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ دیکھیں کس لڑکے میں بادشاہی کی خو موجود ہے دوسرے دن اور سب شہزادے تو اپنی اپنی سواری پر سوار ہو کر آئے لیکن اشوک اپنے باپ کی بوڑھی ہتھنی پر سوار ہو کر آیا۔ دربار میں آکر سب لڑکے اچھی اچھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ لیکن اشوک اپنے باپ کے پاس تخت پر جا بیٹھا۔ سب شہزادوں نے عمدہ عمدہ مٹھائیاں کھائیں۔ اشوک نے اپنی ماں کے پکائے ہوئے کھانوں کے سامنے اور سب کو ہیچ سمجھا۔ تمام درباریوں نے اشوک ہی میں بادشاہی کے اوصاف پائے اور ایک زبان

ہو کر کہہ دیا کہ اشوک ولی عہد بنانے کے قابل ہے۔ حالانکہ یہ سب سے بد صورت تھا۔ اس بات کو سب نے بسر و چشم قبول کیا۔

اشوک نے ایک دن ایک فقیر کو دیکھا جو بڑی سنجیدگی کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اشوک نے اس سیر چشمی کا راز دریافت کرنا چاہا اور پیچھے ہو لیا۔ آگے چل کر دیکھا کہ اسے کسی گھر سے جو کچھ روکھا سوکھا کھانا مل جاتا ہے اسے نہایت خوشی کے ساتھ کھا لیتا ہے۔ اور پھر عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ راجہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ فقیر نے اپنا نام اور سب حال بتلایا۔ یہ فقیر بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ راجہ نے مہاتما بدھ کی تعلیم حاصل کی اور خود بدھ مذہب قبول کر لیا۔

جب اشوک بدھ مذہب کا پیرو ہو گیا تو اس نے کلنگ وغیرہ میں جو لڑائیاں اس وقت ہو رہی تھیں سب بند کر دیں کیونکہ وہ لڑائی میں اس قدر قتل اور خونریزی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے بدھ مذہب کی ترقی کے لئے بڑی سرگرمی سے

کوشش کی۔ اپنے لڑکے اور لڑکی کو بدھ مذہب پھیلانے کے لئے لنکا بھیج دیا۔ چونکہ اسوقت لوگ بدھ مذہب کے اصولوں کو زبانی یاد نہ رکھ سکتے تھے۔ اور نہ اتنے چھاپے خانے تھے۔ جس سے وہ بدھ مذہب کے اصول چھپوا کر لوگوں کو تقسیم کرتا اس لئے ایسی حالت میں اس نے مناسب سمجھا کہ پتھر کے بڑے بڑے ستون راستوں میں جابجا لگا دئے جائیں۔ جن پر بدھ مذہب کے عمدہ اصول کھدے ہوئے ہوں۔ تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر ان پر عمل کریں اس کے بنوائے ہوئے بڑے بڑے اونچے ستون اور لاٹیں ہندوستان کے کونے کونے میں اب تک موجود ہیں اور ان پر لکھے ہوئے بدھ مذہب کے اصول ابھی تک نہیں مٹے ہیں۔ اس نے بدھ مذہب کی ایک مجلس بھی کی تھی جس میں اس مت کے سب آدمیوں نے مل کر بری رسموں کو مذہب سے نکال دیا اور سب عمدہ اصولوں کو سمجھ کر قبول کر لیا۔ اس مجلس کے تھوڑے دنوں بعد اس نے وفات پائی۔

اشوک نہایت رحم دل بادشاہ گذرا ہے - اپنی رعایا کی بہتری کے لئے نئی نئی باتیں سوچتا رہتا تھا - اور کسی وقت خالی نہ بیٹھتا تھا -
سلطنت کے کاموں میں اس قدر محو رہتا تھا کہ کبھی کبھی کپڑے بدلنا اور بالوں میں کنگھی کرنا بھی بھول جایا کرتا تھا - اس نے تمام عمر اس بات کی کوشش کی کہ میری کل رعایا بدھ مذہب کے پیرو ہو جائے ہر شخص اپنے سچے حقوق اور اصلی فرائض کو سمجھے -

سوالات

۱ - اشوک یوراج کیونکر منتخب ہوا ؟

۲ - بدصورت اور غریب آدمیوں کو دنیا میں عروج کس لئے حاصل ہوتا ہے ؟

۳ - اشوک بدھ مذہب کا پیرو کیسے ہوا ؟

۴ - بدھ مذہب کے پھیلانے کے لئے اس نے کون کون سی تدبیریں کیں ؟

۵ - اشوک کی زندگی سے ہمیں کیا کیا سبق ملتے ہیں ؟

۵- بکرما دتیہ اور کالیداس

۱- بکرما دتیہ (چندر گپت)

وسط ہند میں مالوہ ایک مشہور صوبہ ہے یہاں چندر گپت دوم بکرما دتیہ کے لقب سے حکومت کرتا تھا۔ اس نے اجین کو اپنا دارالحکومت بنایا۔

یہ نہایت نیک۔ رحم دل اور منصف مزاج بادشاہ تھا طبیعت میں اس قدر سادگی تھی کہ محل میں سونے کے لئے ایک بوریہ اور پینے کے لئے ایک ٹھلیا پانی رہتا تھا۔ رعایا کے دکھ درد کا حال معلوم کرنے کے لئے راتوں کو بھیس بدل کر شہروں میں گشت کرتا تھا۔ سخاوت کے لئے جس کا نام آج تک مشہور ہے۔ اس کا انصاف اب تک ضرب المثل ہے کہتے ہیں کہ بکرما دتیہ ایک سنگ مرمر کے تخت پر بیٹھ کر دربار کرتا تھا۔ اس کے پایوں میں بتیس پتلیاں بنی ہوئی تھیں اور یہ سنگھاسن بتیسی کے نام سے مشہور تھا۔ بکرما دتیہ کے مرنے کے بعد محل کرنے سے

یہ زمین میں دب گیا اور اس جگہ خاک اور مٹی کے تودے جمع ہوکر ایک ٹیلہ سا بن گیا۔ اس کے ارد گرد بہت سے درخت بھی اگ آئے تھے۔ اور کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ کبھی یہاں بکرماجیت کا محل تھا اور یہیں اس کا سنگھاسن دفن ہے۔

اس جگہ پر بہت سے گوالوں کے لڑکے بھیڑ بکریاں چرانے کے لئے آیا کرتے تھے اکثر اسی ٹیلے کے نزدیک بیٹھ کر بات چیت کرتے یا پیڑوں پر چڑھ کر آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے۔ ایک دن کسی لڑکے کا لوٹا ڈور غائب ہوگیا اس نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک لڑکے پر چوری کا الزام لگایا۔ وہ کہتا تھا کہ میں نے نہیں چرایا۔ بڑی دیر تک اس بات پر خوب بحث رہی مگر چور کا پتہ نہ چلا۔ اتنے میں اتفاقاً ایک لڑکا ٹیلے پر جا بیٹھا۔ اور لڑکے سمجھے کہ شاید یہی چور ہے۔ پس انھوں نے پوچھنا شروع کردیا کہ سچ بتا چور کون ہے؟ اور لوٹا کس نے چرایا ہے؟۔ ٹیلے والے لڑکے نے بتلایا کہ لوٹا ڈور کوئی چوری کی نیت سے نہیں لے گیا۔ بلکہ ایک لڑکا کنوئیں پر پانی پینے کے واسطے لے گیا تھا۔

اور وہیں پھول آیا ہے۔ سب لڑکے کنوئیں کی طرف دوڑے۔ دیکھا تو اُس کی بات بالکل صحیح نکلی۔ لیکن اس کا سبب کسی کو نہ معلوم ہوا کہ ٹیلے پر بیٹھے ہوئے لڑکے کی سمجھ میں یہ بات کیسے آگئی۔ جب اسی طرح اور بھی کئی موقع پیش آئے کہ پیچیدہ معاملے ٹیلے پر چڑھنے سے حل ہو گئے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے جھگڑے پر چڑھنے سے فوراً طے ہو جاتے ہیں۔ پس رفتہ رفتہ یہ بات چاروں طرف گاؤں گاؤں میں پھیل گئی ایک دن اس بات کی آزمائش کے لئے ایک جاہل گنوار آدمی اُس ٹیلے پر بٹھا دیا گیا اور اُس کے سامنے مشکل سے مشکل مسئلے پیش کئے گئے نہایت پوشیدہ باتیں بیان کی گئیں مگر اس گنوار نے سب باتوں کے جواب معقول دئے اور سارے راز جوں کے توں بیان کر دئے۔ انصاف بھی ایسا کیا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔ سب کو بڑی حیرت ہوئی۔

آخر کار یہ بات راجہ کے کان تک پہنچ گئی۔ وہ ٹیلا کھودا گیا تو اس کی تہ میں ایک تخت نکلا۔ صاف کر کے راجہ کے دربار میں رکھا گیا۔ راجہ اس کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور جب اس نے تخت پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ایک پتلی بولی خبردار اس تخت پر قدم نہ رکھنا۔ کیونکہ آپ نہ تو بکرماجیت کی طرح منصف ہیں اور نہ راست باز اس کے بعد اس نے بکرماجیت کی ایک کہانی سنائی۔ اسی طرح باری باری سے تمام پتلیوں نے راجہ کو کہانیاں سنانے میں مصروف رکھا اور تخت پر نہ بیٹھنے دیئے۔ راجہ کے دل پر بھی اس کے ان کہانیوں کا بڑا اثر ہوا۔ وہ نہایت شرمندہ ہو کر چپ چاپ اپنے تخت پر بیٹھ گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے سنگھاسن بتیسی نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ سب کہانیاں سنگھاسن بتیسی نام کی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہیں

بکرماجیت کے دربار میں نورتن تھے ان میں کالیداس سب سے زیادہ مشہور ہیں ان کی حاضر جوابی

کا ایک قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن راجہ نے کالیداس سے دریافت کیا کہ تمہاری ہتھیلی پر بال کیوں نہیں ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ حضور مجھ کو اتنا روپیہ دیتے ہیں کہ ان کی رگڑ سے بال گھس گئے ہیں۔ راجہ نے پھر پوچھا اور لوگوں کی ہتھیلی پر بال کیوں نہیں ہیں؟ کالیداس نے عرض کی کہ وہ لوگ مجھے روپیہ پاتے دیکھ کر حسد سے ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہتھیلی پر بھی بال نہیں اُگنے پاتے۔ راجہ اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا اور بہت سا انعام دیکر رخصت کیا۔

بکرمادتیہ بڑا نامی گرامی راجہ ہوا ہے ہندو اس کو دھرم مورت بکرمادتیہ کہتے ہیں۔ اس نے اپنی سلطنت کو بہت وسعت دی۔ رعایا کو اس کے زمانے میں بہت آرام تھا ہمیشہ ایسے کام کرتا تھا جو رعایا کی خوشی و دل جوئی کا باعث ہوتے تھے۔

سوالات

۱۔ بکرماجیت کون تھا؟ اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟
۲۔ اس کے سنگھاسن کا حال بیان کرو۔
۳۔ لوہا ڈور کی چوری کا پتہ کیسے لگا؟
۴۔ پُتلے کے اوصاف کیا تھے؟
۵۔ پُتلیوں نے راجہ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

۲۔ کالیداس

کالیداس کا حال بکرماجیت کی کہانی میں تم نے تھوڑا بہت پڑھ ہی لیا ہے۔ یہ اُس کے نورتنوں میں سے بڑا عالم و فاضل شاعر تھا۔ آج ہم تم کو اس کی ساری داستان سُناتے ہیں۔

اُجّین کے راج میں وِدوتما نام کی ایک شہزادی فہم و فراست میں یکتا علم و ہنر کی پتلی تھی۔ اس نے یہ عہد کیا تھا کہ میں اس شخص سے شادی

نہ کرونگی ۔ جو علم و ہنر میں مجھ سے کم ہو ۔ بیسیوں
شہزادے ، پنڈت ، گیانی اور شاعر باکمال مباحثہ
کے لئے دربار میں حاضر ہوے ۔ مگر کوئی بھی اس
کے سوالوں کا جواب نہ دے سکا ۔ چنانچہ ملک کے
سب عالم و فاضل خفا ہو گئے اور انھوں نے مل کر
ودوتما کو زک دینے کی تدبیریں سوچنی شروع کردیں ۔
آخر یہ قرار پایا کہ اس کی شادی فریب دے کر کسی
ایسے احمق اور بیوقوف شخص سے کرادی جائے ۔
کہ اس کا غرور خاک میں مل جاوے ۔ اور یہ عمر بھر
اپنی قسمت کو جھینکتی رہے ۔

اتفاق سے ان لوگوں کا گزر مالوہ کے ایک چھوٹے
سے گاؤں منداکر کے قریب سے ہوا ۔ دور سے ان کو
ایک گنوار (کالیداس) درخت پر چڑھا ہوا نظر آیا
کیا دیکھا کہ یہ وہی ڈال کاٹ رہا ہے ۔ جس پر کہ
خود بیٹھا ہے ۔ لوگوں نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا
کہ ایسا احمق تو دنیا میں چراغ لیکر ڈھونڈھنے پر
بھی نہ ملیگا اس کی شادی اگر ودوتما سے ہوجائے

تو بڑا مزہ ہو۔ چنانچہ اس کو ڈال کاٹنے سے پہلے ہی جاکر ان لوگوں نے پکڑ لیا۔ اس کو دھمکی اور دلاسے سے اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ خاموشی اختیار کرلے اور صرف اشاروں سے بات کرے۔

جب اس کو لیکر یہ سب اجین واپس پہنچے۔ تو انھوں نے کالیداس کے ایسے سوانگ بنائے کہ ودوتما کو مجبور ہوکر اس گنوار سے شادی کرلینی پڑی۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ودوتما کی پارسائی اور دعاؤں سے یا یوں کہو کہ اس کی صحبت کے اثر سے کالیداس کا دماغ روشن ہوگیا۔ اور اس کی عقل ایسی تیز ہوگئی کہ سارا ملک علم و ہنر کے نور سے جگمگا اٹھا اور دشمنوں کے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔ آخرکار اس کا شمار وکرمادتیہ کے نورتنوں میں ہونے لگا۔ سچ پوچھو تو اس سے بڑھ کر سنسکرت کا عالم شاعر پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس نے سنسکرت میں بہت سی کتابیں لکھیں ہیں۔ جن میں شکنتلا، رگھوبنش، میگھ دوت اور کمار سنبھو بے مثل ہیں۔ ہندوستان کا بچہ بچہ ان قصوں

اور ڈراموں سے آگاہ ہے شکنتلا ناٹک کو پڑھ پڑھ کر انگریز اس کو ہندوستان کا شیکسپیر کہتے ہیں سچ پوچھو تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دنیا کے فن ڈرامہ اور ناٹک کا موجد یہی تھا۔ اور باقی سب اس کے شاگرد ہیں۔

سوالات

۱۔ کالیداس کی دودتما سے شادی کیونکر ہوئی ؟

۲۔ اس کی علمی لیاقت کی ترقی کا کیا سبب تھا ؟

۳۔ وکرمادتیہ کے دربار میں اس کا کیونکر دخل ہوا ؟

۴۔ کالیداس کی شہرت کن باتوں سے ہوئی ؟

۵۔ کیا تم اس کو ہند کا شیکسپیر کہوگے ؟

۱۸۔ راجہ شالباہن

ہندوستان کا جنوبی حصّہ دکن کہلاتا ہے۔ کسی زمانے میں دریائے گوداوری کے کنارے پٹن نگر آباد تھا۔ اس گاؤں میں سلوچن نامی برہمن رہتا تھا۔

بڑا عالم فاضل تھا۔ اس کو سارے وید شاستر گیتا بھاوت حفظ یاد تھے۔ پنڈت جی کے صرف ایک لڑکی تھی۔ وہ بدقسمتی سے بال بدھوا ہو گئی تھی۔

اس زمانے کے اونچی ذاتوں میں بیوہ کی شادی کی رسم نہ تھی۔ راج دربار سے بھی ممانعت تھی یسلوچن پنڈت اپنے لڑکی کی نو عمری اور عمر بھر کے سوگ کو سوچ سوچ کر سوکھتے چلے جاتے تھے۔ انھوں نے سارے وید اپنشد چھان مارے کہیں بیوہ کی شادی نا جائز نہ نکلی۔ عقل سے سوچا۔ کہ معصوم لڑکی نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کو عمر بھر کی خوشیوں سے محروم رکھا جائے۔ اگر پچھلے جنم کے کرموں کی سزا ہے۔ تو وہ کیا گناہ تھے؟ کیسے بڑے تھے؟ کتنے زیادہ تھے؟ نہ تو اس کو یاد ہیں نہ ہمیں معلوم۔ اگر ان کا علم ہوتا تو ہمیں صبر آجاتا۔ اچھے برے کاموں کی تمیز ہوتی۔ ایشور کے انصاف کی قدر کرتے۔ بھلے کاموں کی رغبت بڑھتی۔ آیندہ تو زندگی سدھرتی

اگلے جنم میں تو سکھ ملتا۔ میرا تو اب بڑھاپا آتا جاتا ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ اس لڑکی کا والی وارث کون ہوگا۔ بُری نکلی تو خاندان کا نام ڈبو دے گی۔ بہتر یہی ہے کہ اس کی دوسری شادی کردی جائے۔

ٹین نگر راجہ سوم کانت کی راجدھانی میں تھا۔ دور کی خبریں دیر میں پہنچتی تھیں۔ اس لڑکی کی دوسری شادی کی۔ خبر راجہ کو اس وقت ملی۔ جبکہ اس کے ایک لڑکا بھی ہو چکا تھا۔ راجہ نے فوراً سلوچن کو بلایا۔ ساری داستان سُنی۔ بیوہ کی شادی پر بحث مباحثے ہوئے۔ درباری پنڈت دل میں تو قائل ہو گئے مگر ظاہر یہی کہتے رہے کہ دوسری شادی شاستر کے خلاف ہے۔ رسم ورواج کے بھی مطابق نہیں۔ دھرم شاستر اور عقل سے کیا واسطہ۔ سلوچن کو سزا ملنی چاہیئے۔ راجہ سوم کانت نے کثرت رائے سے پنڈت کو کنبے سمیت دیس نکالا دیدیا۔

سلوچن اپنی لڑکی اور اس کے ننھے بچے شالیاہن

کو ساتھ لے جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ فاقے پر فاقے گذرنے لگے۔ تینوں ہڈیوں کی مالا بن گئے۔ جنگلی جانوروں دشمنوں سے کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ آخرکار شالیاہن کی قسمت نے زور مارا۔ ایک گاؤں نظر آیا۔ اس میں ایک کمہار کی جھونپڑی دکھائی دی۔ بھکشا مانگنے گئے۔ کمہار کو ترس آیا۔ اس نے کھانا کھلایا پانی پلایا اور کچھ آرام دیا۔ ان کا سارا قصہ سُنا تو ان تینوں کو اپنی جھونپڑی میں رکھ لیا۔ سلوچن پنڈت نے کسی اونچے برہمن کی شرن لینے سے اس خدا ترس شودر کے گھر میں رہنا پسند کیا۔

شالیاہن بڑا ہونہار نکلا۔ چھوٹی سی عمر میں مٹی کے کھلونے بنانے لگا۔ کمہار کی آمدنی دوگنی چوگنی ہوگئی۔ جنگلی قوموں کے بچوں کی صحبت میں رہ کر گھوڑے پر چڑھنا۔ تیر کمان سے شیر کا شکار کرنا سیکھ لیا اور ڈھال تلوار لگا کر پورا سپاہی بن گیا۔

جب پندرہ برس کا ہوا۔ تو ایک دن اس نے

ماں سے شہر جانے کی اجازت مانگی۔ ماں نے کہا کہ تمھیں شہر میں جانے کی ممانعت ہے اگر کسی نے پہچان لیا تو راجہ سوم کانت کو خبر ہو جائیگی اور تمھیں عمر بھر قید کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ماں دکھیا تمھارے دشمنوں کو ترس جائے گی۔ شالباہن کو جب اپنے بوڑھے دادا سلوچن کے شہربدر ہونے کا قصہ معلوم ہوا تو اس نے راجہ سوم کانت سے بدلہ لینے کا عہد کیا۔ اور شہر جانے کا خیال چھوڑ دیا۔

آہستہ آہستہ شالباہن نے جنگلی قوموں کا ایک گروہ بنا لیا۔ راجہ سوم کانت کے ملک میں چھاپے مارنے شروع کر دئے۔ راجہ کے سپاہی اور وزیر جو اس سے ناراض رہتے تھے شالباہن سے آملے۔ جب جمعیت زیادہ ہوگئی تو اس نے شہروں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ آخر کار اس قابل ہو گیا کہ ایک فوج تیار کر لی۔ پہلی ہی لڑائی میں راجہ سوم کانت کو شکست دی۔ سارا علاقہ چھین لیا اور رعایا نے خوشی خوشی اپنا راجہ تسلیم کیا۔

راجہ شالباہن نہایت بہادر۔ شجاع اور منصف

مزاج تھا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصے میں دریائے نربدا سے لیکر راس کماری تک سارا ملک فتح کرلیا۔ خود برہمن تھا۔ پنڈتوں کی قدر کرتا تھا۔ وید شاستر کی تعلیم سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے پرانے ہندو دھرم کو از سر نو تر و تازہ کرنا شروع کیا۔ بدھ دھرم کا اسی کے زمانے سے زوال شروع ہوگیا۔ یہ اپنی نیک نیتی اور دریا دلی کے لئے مشہور ہے۔ اس کا سمبت دکن میں ابتک رائج ہے۔

سوالات

۱۔ شالباہن کہاں پیدا ہوا۔ نقشہ میں دکھاؤ۔

۲۔ سلوچن نے کیا قصور کیا تھا؟ اس کو کیا سزا ملی؟ تمھاری رائے میں یہ سزا واجب تھی۔

۳۔ شالباہن نے کیونکر دکن میں سلطنت پیدا کی؟

۴۔ یہ کس لئے مشہور ہے؟

ہرش

کسی زمانے میں شمالی ہند کی راجدھانی تھانیشور تھی۔ اس وقت یہاں پر بھاکر وردھن راج کرتا

تھا اِس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی - بڑے بیٹے کا نام راج وردھن چھوٹے کا ہرش وردھن - اور لڑکی کا نام راجیشری تھا - اِن تینوں میں باہم بڑی محبّت تھی -

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پربھاکر وردھن کے ملک پر ہُن لوگوں نے چڑھائی کی راجہ نے اپنے ولی عہد راج وردھن کو اُن کے مقابلے کے لئے بھیجا - سال بھر تک لڑائی جاری رہی اور کسی طرف ہار جیت کا فیصلہ نہ ہوسکا - اِسی درمیان میں پربھاکر وردھن مرگیا - چونکہ اس وقت ولی عہد سرحد پر ہُن لوگوں کا مقابلہ کر رہا تھا اس لئے باپ کے مرنے پر بھائی کی غیر حاضری میں مُلک کا انتظام ہرش وردھن کو اپنے ہاتھ میں لینا پڑا - اس سے رعایا نہایت خوش تھی - اس لئے سرداروں نے اُس سے بہتیرا کہا کہ اگر آپ منظور کریں تو آپ کے راج تلک کی رسم ادا کی جائے - کیونکہ راج وردھن کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا مرگیا - مگر ہرش

نے انکار کر دیا۔ اور بھائی کے کھڑاؤں تخت پر رکھ کر سلطنت کے کام چلاتا رہا۔ جب یہ خبر ملی کہ ہن لوگوں کو راج وردھن نے مار کر بھگا دیا اور تھانیشور واپس آرہا ہے تو اس خیال سے اس کو بڑی خوشی ہوئی کہ اب تو ذمہ داری سے پیچھا چھوٹے گا۔ مگر اُسی وقت یہ غمناک خبر ملی کہ اُس کے بہنوئی قنوج کے راجہ گرہ ورما کو دشمنوں نے مار ڈالا اور اُس کی بہن راجیشری کو گرفتار کر کے لے گئے ادھر بھائی جب فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا تھانیشور پہنچا اور اس نے یہ سارا ماجرا سُنا تو وہ بھی بہت بے چین ہو گیا۔

راج وردھن نے ہرش سے کہا کہ تم یہاں سلطنت کا انتظام کرتے رہو اور میں راجیشری کو دشمنوں سے چھڑانے جاتا ہوں۔ ہرش نے بہتیری منت سماجت کی کہ اس دفعہ مجھے لڑائی پر جانے دو اور تم تخت پر بیٹھ کر باپ کے راج پاٹ کا کام سنبھالو مگر وہ راضی نہ ہوا فوراً ایک لشکر جرار

لے لیکر قنوج جا پہنچا۔ اس نے جاتے ہی دشمن کو شکست دی اور راجیشری کو چھڑا کر واپس لا رہا تھا کہ بنگال کے راجہ ششانک نے راستے میں اسے دھوکہ سے مار ڈالا۔ اس واقعہ سے راجیشری اور ہرش دونوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ راجیشری تو دنیا کی مصیبتوں سے منہ موڑ کر ایک بہار میں بھکشونی بن گئی۔ مگر ہرش نے لوگوں کے سمجھانے سے تاج سر پر رکھ لیا اور انتظام سلطنت بہت خوش اسلوبی سے کرنے لگا۔

راج سنبھالتے ہی اس نے ملک جیتنے شروع کردئے جس سے تھوڑے ہی عرصے میں بنگال سے سندھ تک اور ہمالیہ سے سوراشٹر تک کا بادشاہ بن گیا۔

ہرش گنگا اور جمنا کے سنگم پر پریاگ راج میں ہر پانچ سال کے بعد تربینی کا اشنان کرنے آتا تھا۔ وہاں ہزاروں خیمے لگتے تھے لاکھوں جاتری سادھو مہاتما، برہمن اور بدھ مت کے پیرو جمع ہوتے تھے۔

مذہبی جلسے ہوتے تھے۔ بڑے بڑے پنڈال کھڑے
کئے جاتے تھے راجاؤں مہاراجاؤں کے لئے سنگھاسن
کے دونوں طرف مسندیں لگتی تھیں۔ بحث ومباحثہ
اور گیان دھیان کے لکچروں سے تمام ملک کے آدمی
فائدہ اٹھاتے تھے۔ پہلے دن مہاتما بدھ کی مورتی رکھی
جاتی تھی اور بدھ مذہب کے لوگ اپنے مذہبی خیالات
کا اظہار کرتے تھے۔ دوسرے دن سورج دیوتا کی
مورتی نصب کی جاتی تھی۔ اور برہمن اپنے مذہب پر لکچر
دیتے تھے۔ تیسرے روز شیوجی کی مورتی لائی جاتی
تھی اور شیو مذہب والے اپنے اصولوں سے لوگوں
کو آگاہ کرتے تھے۔ راجہ خود بدھ مذہب کا پیرو تھا
مگر ہر مذہب کے لکچر سنتا اور کسی کو ایک دوسرے
کے اعتقاد پر حملہ نہ کرنے دیتا تھا۔ تین دن کے
بعد جب یہ مذہبی جلسے ختم ہوجاتے تو مہاراجہ
ہرش دل کھول کر غریبوں اور محتاجوں کو دان پن
کرتا تھا۔ اسی سخاوت کے باعث یہ آج تک مشہور
ہے اور اردھ کنبھی اور کنبھ کے میلے اسی کی یادگار ہیں۔

تربینی کے سنگم پر الہ آباد میں اب تک ہوتے ہیں۔

سوالات

۱- پربھاکر وردھن کے کتنے لڑکے اور لڑکیاں تھیں؟
۲- ہرش کو راج کیونکر ملا؟
۳- اس نے اپنی سلطنت کہاں تک بڑھائی؟
۴- ہرش کا ہر پانچویں سال مجلس کرنے کا کیا طریقہ تھا؟

۸- محمود غزنوی

(۱) سومنات کا حملہ

سبکتگین کی وفات کے بعد غزنی کے تخت پر اس کا لڑکا محمود غزنوی بیٹھا۔ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔ اور یہاں سے بہت سا لوٹ کا مال لیکر اپنے ملک کو مالا مال کر گیا۔

سب سے زیادہ دولت سومناتھ کے حملہ میں اسکے ہاتھ لگی۔ سومناتھ کا مندر علاقہ گجرات میں تھا اس میں پنڈتوں کے پاس سیکڑوں سال سے بہت سا دھن

اور ہیرے جواہرات وغیرہ اکٹھے ہو گئے تھے گو ہندو راجے آپس میں راج پاٹ اور مال و دولت کے لئے لڑتے رہتے تھے۔ لیکن مندروں کے جمع کئے ہوئے مال میں کبھی ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

اس مندر میں گرہن کے روز لاکھوں آدمی پوجا کیا کرتے تھے۔ مندر کے لئے دو ہزار گاؤں وقف تھے۔ جن کی آمدنی مندر ہی پر صرف ہوتی تھی اور اسی روپیہ سے دو ہزار پجاری اور تین سو گانے والے اور بہت سے نوکر چاکر پلتے تھے۔ مندر کی دیواریں ہیرے جواہرات سے جگمگاتی تھیں۔ اس کی چھت میں ہزاروں چاندی سونے کی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے بیچوں بیچ ایک سونے کا ٹھوس گھنٹہ لٹکا ہوا تھا جس سے تم اندازہ کرسکتے ہو کہ ہندوستان میں اس زمانے میں کس قدر دولت ہوگی۔

محمود غزنوی نے جب اس دولت کا حال سنا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور ایک بہت

بڑی فوج تیار کر کے مع بیس ہزار اونٹوں کے غزنی سے روانہ ہوا - ملتان ، اجمیر ہوتا ہوا نہروالا سے دودن میں سومناتھ کے مندر پر پہنچ گیا - ہندوؤں کی ایک بہت بڑی فوج مندر کی حفاظت کے لئے جمع ہوگئی مسلمانوں نے بڑے زور کا دھاوا کیا لیکن بہادر راجپوتوں نے اُن کو پیچھے ہٹا دیا پہلی مرتبہ محمود کے دانت کھٹے ہوگئے اور وہ بہت گھبرا گیا - لیکن دوسری دفعہ بہت سنبھل کر حملہ کیا تب ہندو مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور ہار گئے اس میں پانچ ہزار آدمی مارے گئے - شہر ، قلعہ اور مندر کی دولت محمود کے ہاتھ آئی -

اس بے شمار دولت سے شاہی خزانے بھر گئے رعایا امیر ہوگئی - غزنی میں سیکڑوں پکے مکان بن گئے عالی شان مسجدیں اور محل تعمیر ہوگئے - سلطان محمود کے دربار کی شان شوکت کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی - علم و ہنر کے چرچے ہونے لگے - بڑے بڑے نامی مؤرخ اور شاعر آکر جمع ہوگئے اپنا اپنا

کمال دکھاتے اور بادشاہ سے حسب دلخواہ انعام پاتے تھے۔

عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ ایک دن ایک بوڑھی عورت نے دربار میں آکر شکایت کی کہ میرے لڑکے کو قزاقوں نے کسی دور کے علاقہ میں قتل کر دیا ہے۔ محمود نے کہا کہ وہ سلطنت یہاں سے بہت دور ہے۔ بوڑھیا نے جواب دیا تو اتنی دور کے ملک کو کیوں فتح کیا جو اس کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اس بات سے محمود کے دل پر چوٹ لگی۔ اور اس نے وہاں فوج بھیج کر راہزنوں سے ملک کو پاک کر دیا۔

سوالات

۱۔ محمود غزنوی کون تھا؟

۲۔ اس نے ہند پر کتنی چڑھائیاں کی ہیں؟ اُن میں سب سے مشہور چڑھائی کہاں کی ہے؟

۳۔ سومناتھ کے مندر کا حال بیان کرو۔

۴۔ محمود غزنوی نے لوٹ کے مال کو کس طرح صرف کیا؟

تمت

ے

۲- محمود غزنوی کی خصلت

ہم بیان کر چکے ہیں کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملے کر کے بہت سا زر و جواہر اکٹھا کیا تھا۔ اس سے غزنی کی رونق دوبالا ہو گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ محمود بڑا بہادر تھا۔ لیکن کبھی کبھی لالچ میں بھی آجاتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ فردوسی شاعر سے ایک کتاب لکھنے کو کہا اور یہ وعدہ کیا کہ ہر شعر کے لئے ایک اشرفی انعام میں دی جائیگی۔ چنانچہ فردوسی نے تیس سال کی سخت جاں فشانی و محنت کے بعد ساٹھ ہزار شعر لکھ کر شاہنامہ تیار کیا۔ محمود ساٹھ ہزار اشرفیوں کے دینے میں حیلہ حوالہ کرنے لگا۔ آخر میں اشرفیوں کے عوض چاندی کے دینار دینے لگا۔ لیکن فردوسی نے چاندی کے سکے نہ لئے اور ناراض ہو کر اپنے گھر لوٹ گیا۔ یہاں بوڑھے شاعر نے محمود کی ہجو لکھ دی۔ یہ بات سارے ملک میں پھیل گئی۔ بچے بچے کو اس کے شعر یاد ہو گئے۔

اس سے محمود کی بڑی بدنامی ہوئی۔
بادشاہ نے جب یہ حال سُنا تو بہت شرمندہ ہوا۔ اور پچھتانے لگا۔ فوراً ساٹھ ہزار اشرفیاں فردوسی کے پاس روانہ کیں۔ جس وقت محمود کے سفیر شہر میں داخل ہوئے۔ فردوسی اس جہان فانی سے کوچ کر چکا تھا۔ اس کا جنازہ نکل رہا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کی بھیجی ہوئی اشرفیاں اس کی لڑکی نے بڑے اصرار کے بعد لیں۔ اس نے اشرفیوں سے ایک میٹھے پانی کی نہر شہر میں کُھدوا دی۔
روایت ہے کہ ایک مرتبہ محمود غزنوی مفتوحہ ملک کو تہ و بالا کر رہا تھا۔ اس کی فوج فصلیں کاٹتی اور شہروں کو جلاتی پھونکتی چلی جا رہی تھی یہ امر اس کے وزیر کو ناگوار خاطر ہوا اور وہ اس کے روکنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ کسی وقت وزیر نے بادشاہ سے کہا تھا کہ میں نے کسی زمانے میں ایک فقیر کی خدمت کی تھی۔ اس لئے اس نے مجھے پرندوں کی بولی سمجھنی سکھا دی تھی۔ اتفاق سے ایک روز سلطان محمود اور وزیر کہیں جنگل میں چلے

جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک درخت پر دو الو بیٹھے ہیں۔ بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ تم کہتے تھے کہ ہم پرندوں کی بولی سمجھتے ہیں۔ اچھا بتاؤ کہ یہ الو آپس میں کیا گفتگو کر رہے ہیں؟ وزیر نے کہا کہ جہاں پناہ! معاف کیجئے ان کی باتیں آپ کے سننے کے قابل نہیں ہیں۔ بادشاہ نے کہا نہیں! نہیں نہیں۔ یہ باتیں تو ہم ضرور سنیں گے ہمارے خلاف بھی ہوں تو مضائقہ نہیں۔ تمہارا بال بھی بانکا نہ ہوگا۔ وزیر نے کہا کہ ان میں سے ایک الو کے لڑکا ہے اور دوسرے کی لڑکی۔ لڑکے والا کہتا ہے جب تک مجھے پچاس ویران گاؤں جہیز میں نہ دوگے میں اپنے لڑکے سے شادی نہیں کروں گا۔ لڑکی والا جواب دیتا ہے ہمارے بادشاہ سلطان محمود سلامت رہیں پچاس تو کیا پانچ سو اجڑے ہوئے گاؤں تمہیں جہیز میں دے سکتا ہوں۔ اس نصیحت کا اثر محمود پر ایسا پڑا کہ اسی دن سے اس نے شہروں، قصبوں اور گاؤں کا جلانا اور برباد کرنا بند کر دیا۔ جس نے سنا وزیر کی عقل پر آفریں کرنے لگا۔ گو یہ سچا واقعہ نہیں مگر اس زمانے کے بادشاہوں کی مطلق العنانی اور وزیروں

کی دانشمندی کی سچی تصویر کھینچتا ہے۔

سوالات

۱۔ محمود نے فردوسی سے کیا وعدہ کیا تھا؟

۲۔ اس نے اپنے وعدہ کو کہاں تک پورا کیا؟

۳۔ جب محمود کے نوکر اشرفیاں لے کر فردوسی کے گاؤں میں پہنچے تو انھوں نے وہاں کیا دیکھا؟

۴۔ محمود کی خصلت بیان کرو۔

۵۔ وزیر اپنے بادشاہوں کو کس طرح راہ راست پر لاتے تھے ایک کہانی بیان کرو۔

۹۔ پرتھوی راج اور آلھا اودل

۱۔ پرتھوی راج اور سنجوگتا

قدیم زمانے میں دلّی میں ایک کشتری راجہ حکومت کرتا تھا۔ جس کا نام اننگ پال تھا اس کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس کو یہ فکر تھی کہ میرے بعد میرے تخت کا

وارث کون ہوگا۔ اس کے دو لڑکیاں تھیں۔ ایک اجمیر اور دوسری قنوج میں بیاہی تھی۔ اجمیر والی لڑکی سے پرتھی راج اور قنوج والی سے جے چند پیدا ہوا۔

پرتھی راج بڑا دلیر اور بہادر راجپوت تھا۔ فن سپہ گری میں بڑا ہوشیار تھا۔ تیر چلانے میں تو اپنے وقت کا ارجن تھا۔ اندھیری رات میں شکار کر سکتا تھا۔ بغیر دیکھے صرف آواز کے سہارے نشانہ مارتا تھا اور کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ انگ پال نے سوچا کہ اگر میں پرتھی راج کو گدی کا مالک بناؤں تو وہ انتظام حکومت اچھی طرح کر سکے گا۔ پس اس نے پرتھی راج کو گود لے لیا۔ اب پرتھی راج اجمیر اور دلی کی سلطنتوں کا مالک ہوگیا۔ یہ بات جے چند کو بہت ناگوار ہوئی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ دلی کا راج مجھ ہی کو ملیگا۔ اب جے چند پرتھی راج کا دشمن ہوگیا اور اس کو نیچا دکھانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اتفاق سے جے چند کی لڑکی سنجوگتا کے سوئمبر کا وقت قریب آگیا۔ جے چند کی یہ اکلوتی لڑکی تھی اور علم و ہنر میں بھی شہرۂ آفاق تھی۔ اس کو راجاؤں کے جھگڑے اور ملک کی بربادی پسند نہ تھی۔



पृथ्वीराज और संयुक्ता   پرتھوی راج اور سنجوگتا

پرتھی راج راجپوتوں کا سرتاج تھا۔ صرف وہی ایسی لڑکی کے قابل ہوسکتا تھا۔ مگر سنجوگتا اپنے باپ کی ناراضی سے ڈرتی تھی اور زبان سے اپنے دل کا حال بھی نہ کہہ سکتی تھی۔

ہندوستان کے تمام راجاؤں کے پاس سوئمبر میں شریک ہونے کے لئے شادی کے رقعے بھیجے گئے۔ پرتھی راج کو بھی بلاوا آیا۔ اس زمانے میں سوئمبر کے سارے کام بھی ان ہی راجاؤں کے سپرد ہوتے تھے۔ چنانچہ پرتھی راج کو دربانی کا کام سپرد ہوا۔ اتنے بڑے راجہ کے لئے یہ باعث توہین تھا۔ اس لئے پرتھی راج نے سوئمبر میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ جے چند نے اس کی سونے کی مورت بنوا کر دروازے پر کھڑی کروادی۔

اب سوئمبر کا وقت آیا۔ لڑکی جے مال لے کر ساری سبھا میں پھر آئی مگر جے مال کسی کے گلے میں نہ ڈالی پرتھی راج نے کچھ کار آزمودہ سپاہیوں کو ساتھ لیا اور بھیس بدل کر سوئمبر میں جا پہنچا۔ ایک تیز گھوڑا باہر تیار

تھا۔ جب سنجوگتا چلتے چلتے دروازے کی مورت کے پاس پہنچی تو اس نے اس مورت کے گلے میں جےمال ڈال دی جو پہنا کیا تھا پرتھی راج نے فوراً پھرتی سے سنجوگتا کو بغل میں اٹھا گھوڑے پر جا بیٹھا۔ آن کی آن میں ہوا ہو گیا۔ جے چند کے سپاہیوں نے پیچھا کیا مگر پرتھوی راج کے ہمراہیوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ سب کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنے علاقے میں واپس آ گئے۔

اب پرتھی راج اور سنجوگتا بڑے عیش و آرام سے محلوں میں رہنے لگے۔ ان کے بڑے بڑے سردار چند بروائی۔ بابلی رائے اور چوڑا وغیرہ تھے جو راجہ کی غیر حاضری میں سلطنت کا کام سنبھالے رہتے تھے۔ راجہ پرتھوی راج عیش و عشرت میں ایسے محو ہوئے کہ ساری سلطنت کے کار دبار سے غافل ہو گئے۔ اس کا نتیجہ خراب ہوا انتظام سلطنت میں زوال آنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر سلطان محمد غوری کے کان تک پہنچی۔ ایک لشکر جرار لے کر ملک پر چڑھائی کی۔ امیروں کے ہوش و ہواس گم ہو گئے۔

پرتھوی راج کو غفلت کی نیند سے جگایا۔ راجاؤں سے مدد مانگی۔ ایک بھاری فوج میدان میں اُتاری مگر جے چند کی دغابازی سے شکست کھائی۔ پرتھوی راج مارا گیا۔ اس کے بعد جے چند کی باری آئی۔ ہندوؤں کی بنی بنائی سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں چلی گئی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ پرتھوی راج ہندو راجاؤں میں ایک غیر معمولی بہادر اور مشہور بادشاہ ہوا ہے۔ جس پر ہندوستان کے کشتری لوگ اب بھی ناز کرتے ہیں۔

سوالات

۱۔ پرتھی راج کون تھا؟

۲۔ سنجوگتا کی شادی پرتھی راج کے ساتھ کیونکر ہوئی؟

۳۔ جے چند نے پرتھی راج کو دربان کیوں مقرر کیا تھا؟ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

۴۔ جے چند اور پرتھی راج میں کیوں اَن بن رہنے لگی؟

۵۔ ثابت کرو کہ سنجوگتا خود ہی اپنی شادی پرتھی راج کے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔

۲- دلیران آلہا اور اودل

بندھیل کھنڈ میں مہوبہ کی ریاست بڑی مشہور ہے
کسی زمانہ میں یہ پرہیار خاندان کے راجہ کے قبضے میں
تھی مگر چندیلے خاندان کے راجہ پرمالی نے اس پر حملہ
کردیا۔ پرہیار خاندان کا راجہ لڑائی میں ہار گیا۔ راجہ
پرمالی نے اس کی لڑکی ملہنا سے شادی کرلی۔ مہوبہ
کو پرمالی نے اپنا دارالسلطنت بنایا اور ملہنا کے
بھائی ماہل نے اُرمی میں جاکر راج کیا۔ ماہل کو
چندیلیوں سے قدرتی نفرت تھی۔ یہ جب بڑا ہوا
تو رات دن ان کو غارت کرنے کی تدبیریں سوچتا
رہتا تھا۔

ایک دن راجہ پرمال جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔
وہاں اس کو دو جنگلی بھینسے لڑتے ہوئے دکھائی
دیئے۔ دونوں زخموں سے لہولہان ہو رہے تھے
راجہ نے اپنے سپاہیوں سے کہا دیکھیں کون ان

بھینسوں کو چھڑا سکتا ہے۔ مگر کسی سپاہی کی ہمت نہ ہوئی۔ اتنے ہی میں دو نوجوان لڑکے جنگل میں رمتے پھرتے ادھر آ نکلے۔ انہوں نے آتے ہی ان بھینسوں کے سینگ پکڑ کر الگ کر دیا وہ ساری لڑائی بھول گئے اور دم دبا کر جنگل میں الگ الگ چرنے لگے۔ راجہ پرمال ان لڑکوں کی بہادری دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ بڑی تعریف کی اور انھیں بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ مہوبہ چلنے کے لئے راضی کر لیا۔ ان لڑکوں کا نام جسراج اور بچھراج تھا۔ یہ دونوں بھائی بناپھل خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ خاندان کچھ معزز تو نہ تھا مگر اس میں بڑے بڑے بہادر سورما ہو گئے ہیں۔

ماہل اب بڑا ہو گیا تھا اور مہوبہ کی ترقی اس کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ جسراج اور بچھراج جیسے بہادروں کی موجودگی ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ ایک دفعہ وہ گنگا اشنان کے میلے میں گیا ہوا تھا۔ وہاں اس کی مانڈو کے راجہ کرنگھا سے ملاقات ہوئی۔ یہ اپنی

بہن کے لئے میلے میں دوکانوں پر نولکھا ہار تلاش کر رہا تھا۔ ماہل نے ہنس کر کہا۔ کیا سچ مچ تم راجپوت ہو۔ نولکھا ہار بھی کوئی کھلونا ہے کہ تمھیں میلے میں مل جائے۔ ایسا ایک ہار مہوبہ میں ہے اگر تم میں کچھ مردانگی ہے تو مہوبہ پر چڑھائی کرو اور وہاں سے نولکھا ہار چھین کر بہن کی درخواست پوری کرو۔ کرنگھا فوراً جوش میں آگیا۔ راستے میں اپنی فوج آراستہ کرکے مہوبہ پر حملہ آور ہوا۔ جسراج نے مقابلہ کیا مگر لڑائی میں مارا گیا۔ کرنگھا نولکھا ہار اور بہت سی دولت لوٹ کر لے گیا۔ اس طرح مانڈو اور مہوبہ کی ریاستوں میں دشمنی ہوگئی۔

جسراج کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام آلھا تھا اور دوسرے کا نام اودل تھا۔ یہ دونوں بھی جوان ہو گئے تھے۔ جب انھیں باپ کے مرنے کا حال معلوم ہوا تو وہ پرمال سے لشکر لے کر مانڈو کی ریاست پر چڑھ آئے۔ کرنگھا کو قتل کرکے باپ کا بدلہ چکایا اور مانڈو کی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔



ल्हा-ऊदल (बेला का विवाह) (آلہا اودل (بیلا کی شادی

ماہل کی تدبیر خاک میں مل گئی۔ مہوبہ کی سرزمین مشہور ہوگئی۔

راجہ پرمال کا لڑکا بھی جوان ہوگیا تھا۔ اس کی شادی کرنے کی فکر تھی۔ مگر بلا لڑائی کے راجپوتوں کی بیٹی بیاہنا مشکل تھا۔ آلھا اودل نے برہما کو ساتھ لے کر پرتھوی راج پر چڑھائی کر دی۔ دہلی پر چھاپا مارا۔ پرتھوی راج کو مجبور ہوکر اپنی لڑکی بیلا سے برہما کی شادی کرنی پڑی۔ ماہل کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ پرمال اور آلھا اودل کو نیچا دکھانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔

اس نے راجہ پرتھوی راج کو دن رات مہوبہ کے قصے سنانے شروع کئے۔ ریاست مہوبہ کی ذرا ذرا سی بات کی خبر تھی۔ پرتھوی راج کے راجپوتی آن بان سے واقف تھا۔ مزاج میں دخل ہوگیا تھا۔ باتوں باتوں میں آلھا اودل کا ذکر آیا۔ کہنے لگا بیشک یہ لڑکے راجپوتوں کی ناک ہیں۔ بہادری میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا مگر یہ سب بہادری ان کے پانچ

بچھڑوں پر منحصر ہے۔ ان میں یہ وصف ہے کہ سوار کو لڑائی میں گرنے نہیں دیتے۔ اور جو کوئی ان پر سوار ہوکر لڑتا ہے اس کو ہمیشہ فتح نصیب ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی طرح آپ کے یہاں آجائیں تو سلطنت کی دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگے۔ ورنہ آپ دیکھیں گے کہ چند ہی روز میں مہوبہ کا اقبال اتنا بلند ہوگا کہ آپ کی سلطنت اس کے سامنے ہیچ رہ جائے گی۔ راجہ پرتھوی راج کے دل میں یہ بات اثر کرگئی۔

فوراً راجہ پرمال کو خط لکھا۔ کہ تم آلھا اودل کے سواری کے گھوڑے بھیج دو۔ راجہ جے چند کو خراج دینا بند کردو اور ہماری اطاعت قبول کرو۔ اگر دو مہینے کے اندر اندر گھوڑے نہ آئے۔ تو دشمنوں میں شمار ہوگے۔ اس کا فیصلہ تلوار سے ہوگا تمھاری ریاست پر چڑھائی کردی جائے گی۔

راجہ پرمال اب بوڑھا اور آرام طلب ہوتا جاتا تھا۔ ریاست کا تمام کام رانی ملہنا کے ہاتھ میں تھا۔ راجہ

پرتھوی راج کا خط دیکھتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ڈر کے مارے گھوڑے بھیجنے اور خراج دینے کا وعدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب ملہنا کو خبر ہوئی۔ تو اس نے دربار کرایا۔ آلھا اودل کو بلایا۔ سب سے مشورہ کیا۔ آلھا اودل نے کہا ہم نے راجہ پرتھوی راج کو شکست دیکر برھما کا بیاہ کرایا ہے۔ راج کمار دہلی کے راجہ کا داماد ہے۔ ہماری ریاست کا درجہ اس لئے بہت اونچا ہو گیا ہے راجہ کے خط سے ہماری توہین ہوتی ہے۔ جب اس کے دل میں داماد کا خیال نہ آیا تو ہم بھی کیوں بزدلی دکھائیں۔ خط کا دو ٹوک جواب دو۔ تلوار سے فیصلہ ہو۔ ہم سب جان نوچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں۔

رانی ملہنا کو بھی یہ بات پسند آئی۔ مگر راجہ پرمال نے جواب دیا کہ تم سب بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ راجہ پرتھوی راج بھی چوہان ہے۔ دہلی کا زبردست راجہ ہے۔ اگر تم نے ایک دفعہ اس کے تھوڑے

سے سپاہیوں کو مار کر پیچھے ہٹا دیا تو کیا بہادری کی۔ اس کی سلطنت میں بہت سے باج گذار ریاستیں ہیں۔ اتنی فوجیں اور سامان ہے کہ تمہاری ریاست نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔ اس کے لشکر سے مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ ہمارا سمدھیانہ کا رشتہ ہے۔ جو وہ کہے وہ ہمیں مان لینا چاہیئے۔ ان پھیروں کی کیا حیثیت ہے۔ آپس میں سلوک رہے گا تو ہمیں قنوج کے راجہ جے چند کو بھی خراج نہ دینا پڑیگا۔ مگر یہ سب دلیلیں آلھا اودل کی سمجھ میں نہ آئیں۔ راجپوتی شان کے خلاف تھیں۔ یہ آزادی کے دیوانے اپنے ضد پر قائم رہے۔

راجہ پرمال عقل کے خلاف باتیں کرنے سے ناراض ہوگیا۔ آلھا اور اودل کو حکم دیا کہ مہوبہ کی سرزمین سے جب تک نہ نکل جاؤ تم پر کھانا پینا۔ سونا رہنا حرام ہوگا۔ آلھا اور اودل اپنے گھوڑے لے کر مہوبہ سے چلنے لگے۔ ملنا بھی چپکی ہوگئی۔ راستے میں بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مصیبتیں جھیلتے فاقے کرتے قنوج

کی راجدھانی میں پہنچے۔ راستے میں کئی راجاؤں نے اپنے یہاں رکھنا چاہا۔ مگر یہ سب کو ٹالتے رہے کیونکہ قنوج کے راجہ جے چند کی آس بندھی تھی۔ مگر جب جے چند نے راجہ پرمال کو ناراض کرنے کا قصہ سنا تو اپنے دربار میں رکھنے سے انکار کر دیا۔ اب تو جان پر بن آئی۔

آلہا اودل ۔ اب جان بچانے کے لئے قنوج کی ریاستوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ راجہ جے چند نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔ صلاح ٹھہری کہ ان دونوں بھائیوں کو بلایا جائے اور محل کے سامنے مست ہاتھیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح وہ دھوکے سے کچل کر مر جائیں گے اور ریاست کی بدنامی بھی نہ ہوگی۔

آلہا اودل خط دیکھتے ہی قنوج کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب شہر میں پہنچے تو محل کے سامنے دو مست ہاتھیوں کو جھومتے ہوئے دیکھا۔ فوراً تلواریں سونت کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے

سونڈیں کاٹ کر دونوں کو بھگا دیا۔ راجہ جے چند بھی انکی بہادری کا لوہا مان گیا۔ بڑی خاطر سے پیش آیا۔ دشمن سے پکا دوست بن گیا۔ دربار میں رکھ لیا۔ اعلیٰ عہدے پر مقرر کر دیا۔

اب ادھر کا حال سنئے۔ جب راجہ پرتھوی راج کے پاس آلھا اودل کے پہنچنے کی خبر نہ پہنچی تو وہ فوج لے کر مہوبہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ راجہ پرمال مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ رانی ملہنا نے تھوڑے دن کی مہلت مانگی۔ راجہ پرتھوی راج نے یہ بات منظور کر لی۔

رانی ملہنا نے آلھا اودل کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

"تمھارا بانس اور ہڈی مہوبہ کی خاک سے بنا ہے۔ تمھاری رگوں میں راجپوتی خون کا سرخ دھاگا بھی وہی ہے۔ جو راجہ پرمال کے بدن میں موجود ہے۔ اپنی ضد چھوڑ دو۔ راجہ پرمال کی خطا بھول جاؤ۔ وطن کو دشمنوں کے ہاتھ سے بچاؤ۔ غیرت حمیت اور ہمدردی سے کام لو۔ اب روٹھنے اور منانے کا وقت نہیں رہا۔ مہوبہ کی لاج رکھ لو۔"

پہلے تو آلھا اودل کے دلوں میں اس خط کا اثر بہت کم ہوا کیونکہ ان کے دل میں ہتک عزت کے خیال نے وطن پرستی کو دبا رکھا تھا۔ لیکن جب دیول دیوی نے اپنی باتوں سے شرمندہ کیا کہ ملک کی حفاظت کرنا تمھارا فرض ہے۔ نمک حرامی سے ڈوب مرنا بہتر ہے۔ جھوٹے غرور اور سچی خدمت کا فرق سمجھا۔ تو یہ دونوں مہوبہ کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہوگئے۔ راجہ جے چند سے فوج مانگی۔ پہلے تو اس نے انکار کر دیا۔ مگر جب انھوں نے سب نشیب و فراز سمجھائے تو وہ مان گیا۔ ان کے ہمراہ مہوبہ کی مدد کے لئے ایک لشکر جرار ساتھ کر دیا۔ دریا بیتوہ کے کنارے پر پرتھوی راج کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ بڑا گھماسان کا رن پڑا۔

آخر کار آلھا اودل نے ایسی بہادری دکھلائی کہ پرتھوی راج کو شکست فاش ہوئی۔ وہ دہلی واپس چلا گیا۔

جب یہ فوج مہوبہ پہنچی تو رانی ملہنا کو بڑی خوشی ہوئی۔ سب کی صلاح سے راجہ پرتھوی راج کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم برھما کی برات چڑھا کر بیلا کی بدائی کے لئے

تیار رکھیں۔ راجہ پرتھوی راج کے سرداروں نے مشورہ کرکے ایک سپہ سالار کو بیلا کے کپڑے پہنا کر ڈولے میں بٹھا دیا اور اس کے بھائی طاہر کو ساتھ بھیجا۔ برہما کو دیکھتے ہی یہ دونوں اچانک ٹوٹ پڑے۔ برہما نے بھی بڑی دلیری سے مقابلہ کیا مگر زخم کاری کھا کر گر پڑا اور گرفتار ہوگیا۔

یہ خبر سنتے ہی اودل اور لاکھن چپکے چپکے بیلا کے محل میں جا پہنچے اور اس کو برہما کے زخمی اور گرفتار ہونے کی خبر سنائی۔ بیلا فوراً زرہ بکتر پہن ہاتھ میں تلوار لے کر انکے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی۔ طاہر اور بیلا کی نوجوان میں بڑے جوش و خروش سے لڑائی ہونے لگی۔ بہن اپنے بھائی کی گردن کاٹ کر اپنے شوہر برہما کے سامنے لائی۔ بیوی کی آواز سن کر برہما نے آنکھ کھول دی اور خوشی خوشی دم چھوڑ دیا۔

بیلا اپنے شوہر کو چتا میں لے کر بیٹھ گئی اور جلنے کو تیار تھی کہ ادھر تو راجہ پرتھوی راج فوجیں لئے وہاں آ پہنچا اور دوسری طرف آلھا اپنے لشکر سمیت آموجود

ہوا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں۔ اور اتنی بات پر بحث ہو رہی تھی کہ چتا میں کون آگ لگائے۔ آپس میں اسی بات پر تکرار ہونے لگی۔ اودل نے چتا میں آگ لگا دی۔ ایک طرف تو چتا کے جلنے کا نظارہ تھا اور دوسری طرف دونوں لشکروں میں تلواریں بجنے لگیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ہزاروں بہادروں کی جانیں تلف ہوگئیں پرتھوی راج کے بڑے بڑے سورما کام آئے۔ اودل بھی مارا گیا۔ صرف آلھا زندہ بچا۔ مہوبہ پر پرتھوی راج کا قبضہ ہوگیا۔

بندھیل کھنڈ کا بچہ بچہ آلھا اودل کے ناموں سے واقف ہے۔ گاؤں گاؤں میں آلھا بڑے جوش خروش سے ڈھولک پر گائی جاتی ہے۔ بچے بوڑھے مرد عورتیں سب جمع ہو جاتے ہیں۔ آلھا اور اودل کے قصوں کو سُن سُن کر مست ہو جاتے ہیں۔ برسات کے دنوں میں یہ نظارہ بھی دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

سوالات

۱۔ آلہا اور اودل کون تھے؟

۲۔ جسراج کس طرح قتل ہوا؟

۳۔ آلہا اور اودل نے اپنے باپ کی موت کا بدلا کس طرح لیا؟

۴۔ پرتھوی راج اور پرمال میں کیا تعلق تھا؟

۵۔ پرتھوی راج اور پرمال میں جھگڑے کی بنا کیونکر پڑی؟

۶۔ پرتھوی راج نے پرمال کو کیا خط لکھا؟

۷۔ اس خط کو پڑھ کر پرمال کی کیا حالت ہوئی؟

۸۔ آلہا اور اودل کیوں ناراض ہو گئے؟

۹۔ آلہا اور اودل کو کس طرح قنوج سے بلایا؟

۱۰۔ پرتھوی راج اور پرمال کی لڑائی کا حال بیان کرو؟

۱۱۔ اس لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا؟

۱۲۔ ماہل نے مہوبہ کو برباد کرنے کے لئے کیا کیا تدبیریں کیں؟

۱۰۔ سلطان رضیہ بیگم

التمش کے بیس لڑکے ہوئے۔ ان کے علاوہ رضیہ اکیلی لڑکی تھی۔ یہ بڑی خوبصورت تھی۔ سارے بچوں میں سب سے زیادہ باپ کو عزیز تھی۔ گھر ہو یا باہر ہر وقت بادشاہ کے ساتھ رہتی تھی۔ ماں باپ کی لاڈلی۔ امیروں وزیروں کی پیاری۔ نوکروں کے لئے کھلونا تھی۔ اس کی ہر ایک بات سب کو اچھی لگتی تھی۔

شہزادوں کی دیکھا دیکھی پڑھنے لگی۔ امتحان میں بھائیوں پر سبقت لیجاتی تھی تو شہزادوں کو سب چڑھاتے۔ کسی کو یہ خیال تک نہ آتا کہ لڑکیوں کا پڑھانا لکھانا عیب ہے۔ چھوٹی سی عمر میں تلوار چلانا۔ شہ سواری۔ فنون جنگی لڑائی کے نقشے باندھنا بھائیوں کی حرص میں سیکھ گئی۔ کسی کو اعتراض نہ ہوا۔ دربار میں بیٹھتے بیٹھتے سلطنت کے سارے کاروبار سے واقف ہوگئی۔ کسی کو ناگوار نہ گذرا۔ اس کی ہوشیاری عقلمندی۔ اور بردباری دیکھ دیکھ کر

سارے درباری متعجب ہوتے۔ بادشاہ سلامت ہنسی مذاق میں اس سے کبھی مشورے لیتے۔ ہر معاملے میں اس کی رائے دریافت کرتے کسی کو ذرا بھی بُرا نہ لگتا ہے۔

یہ بہت بُرا زمانہ تھا۔ ملک کا امن و امان بادشاہ کی قابلیت پر موقوف تھا۔ زبردست بادشاہ کے سامنے سب سر جھکا دیتے تھے۔ جہاں کوئی کمزور بادشاہ ہوا تو پھر کیا تھا۔ جھگڑے فساد شروع ہو جاتے تھے۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ عورتوں کی تو کیا مجال تھی کہ تخت پر بیٹھنے کا خیال کر سکیں۔ ان کا درجہ مردوں سے کم گنا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو تعلیم دینا بُرا سمجھا جاتا تھا۔ ان کی ماتحتی میں رہنا باعث ذلت سمجھا۔ عورت کی حکومت قبول کرنے سے ڈوب مرنا پسند تھا۔ رضیہ کا اتنی تعلیم و تربیت پانا ایک عجب کی بات تھی۔

ایک دفعہ التمش کو بغاوتوں کے دبانے کے لئے باہر جانے کی ضرورت ہوئی۔ سلطنت میں قائم مقام مقرر کرنے کی نوبت آئی۔ شہزادوں میں کوئی بھی



रज़िया बेगम

رضیہ بیگم

اس لائق نہ تھا۔ وزیروں میں کسی کو تعصب سے خالی نہ پایا۔ رضیہ عورت تھی۔ سرداروں کی ناراضی کا ڈر تھا۔ اس نے تمام اراکین سلطنت کو بلایا۔ مشورہ کیا۔ بحث و مباحثے ہوئے۔ سب کو ماننا پڑا کہ رضیہ کو خدائے تعالیٰ نے مردوں کا دل و دماغ عطا کیا ہے شہزادی سے بہتر نائب السلطنت ملنا ناممکن ہے۔ سب نے بسر و چشم بادشاہ کا حکم منظور کیا اور رضیہ ہی کو تخت پر بٹھانا قبول کیا۔

التمش چھ سال تک راجپوتانہ کی فتوحات میں لگا رہا رضیہ کھلے منہ دربار کرتی۔ مردانہ لباس پہن کر تخت پر بیٹھتی۔ وزیروں اور معزز سرداروں پر حکم چلاتی۔ کسی کو نہ پردے کا خیال آتا تھا نہ عورت کی ماتحتی کا گمان گذرتا تھا۔ نہ جانے جادو تھا یا کرامات تھی۔ ایک دن بھی سلطنت کے انتظام میں فرق نہ آیا۔ نہ تو شہزادے کبھی خفا ہوئے۔ نہ سردار ناراض ہوئے نہ رعایا ناخوش رہی۔ پل پل کی خبر التمش کے پاس پہنچاتی تھی۔ اور وہ بے فکری سے لڑائیوں میں مشغول

رہتا تھا۔ سلطنت کی طرف سے تنکے تک کے ہلنے کا خطرہ نہ تھا۔ اکثر یہی کہا کرتا تھا۔ میرے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے باقی تو سب لڑکیاں ہیں۔ جب بندھیا چل تک کے سارے علاقہ کو مطیع کرکے واپس آیا تو بڑا خوش ہوا۔ رضیہ اب بڑی ہوگئی تھی۔ سعادتمند بیٹوں کی طرح محلوں میں رہنے لگی۔ بادشاہ۔ امیروں اور رعایا کے دل پر رضیہ کی خوش انتظامی کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔

چار برس بعد جب التمش کا انتقال ہوگیا۔ تو بہت سے امرا فیروز کے طرف دار ہوگئے۔ زمانے کے دستور کے مطابق عورت کی ماتحتی کا خیال دلوں سے دور نہ ہو سکا۔ رضیہ کی کارگزاری۔ لیاقت اور خدمت کا کچھ خیال نہ کیا۔ مگر شہزادے کے تخت نشین ہوتے ہی ساری قلعی کھل گئی۔ سلطنت میں ابتری پھیل گئی عیش و عشرت کے سامان نظر آنے لگے۔ فرقہ بندیوں اور بغاوتوں کا زور ہوا۔ اس بُرے وقت میں رضیہ یاد آئی۔ وفادار اور جانثار سرداروں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ سات ہی مہینے بعد فیروز کو تخت سے اُتار کر رضیہ

کو سلطنت کا انتظام سپرد کر دیا۔

مسلمانوں میں یہ پہلی ملکہ ہے جو دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوئی۔ تاج شاہی پہن کر بے نقاب دربار میں آتی تھی۔ مقدمات سنتی۔ فیصلے کرتی۔ عدل و انصاف میں مشہور ہوگئی۔ ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر گھوڑے پر سواری کرتی۔ لڑائیوں میں مردوں کے دوش بدوش لڑتی۔ سکہ شاہی پر سلطان اپنے نام کے پہلے لکھواتی تھی۔ غرضیکہ کوئی بات ایسی نہ تھی جس میں مردوں کی برابری نہ کرتی ہو۔ اچھے اچھے بہادر اس کا لوہا مانتے تھے۔ ارکان سلطنت اس کی دانشمندی۔ حکمت عملی اور معاملہ فہمی کے قائل تھے۔ ایسے زمانے میں اس کامیابی سے حکومت کرنا حیرت انگیز تھا۔ ساڑھے تین سال کی حکومت میں اس نے یہ ثابت کر دکھایا کہ عورتیں مردوں سے کسی بات میں کم نہیں ہیں۔

سوالات

۱۔ التمش کے زمانے میں ملک میں کیا کیا خیالات پھیلے ہوئے تھے؟

۲۔ ایسے رسم و رواج کے ہوتے ہوئے رضیہ کی تعلیم کیسے ہوئی؟

۳۔ رضیہ نے انتظام سلطنت کی لیاقت کیسے پیدا کی؟

۴۔ التمش کا یہ قول کہ "میرے ایک لڑکا ہے اور باقی سب لڑکیاں ہیں" کس طرح ثابت کر سکتے ہو؟

۵۔ "رسم و رواج کے آگے عقل اور دلیل کی پیش نہیں جاتی" کس طرح ثابت کرو گے؟

۱۱۔ پارسا بادشاہ ناصر الدّین محمود

رضیہ بیگم کے بعد بہرام شاہ کو تخت ملا۔ اس نے بڑی سختی سے سلطنت کی۔ تمام سرکش سرداروں کو مروا دیا۔ امیروں اور رعایا کو تنگ کرنا شروع کیا۔ اپنے بھائی ناصر الدین محمود کو قید خانے میں ڈال دیا۔

یہ غریب شہزادہ نہایت نیک اور پارسا تھا۔ چچا نے نظر بند کر دیا تھا۔ قید خانے میں پڑا پڑا خدا کی یاد کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی قرآن شریف کی نقل

کرنے لگتا تھا۔ مصیبتیں جھیلتے جھیلتے سادہ زندگی بسر کرنے کی عادت ہوگئی۔ نہ کپڑے کا شوق نہ کھانے میں ذائقہ کی تمیز رہی۔ خدا کی عبادت کرتے کرتے مقبول بندہ ہوگیا۔ اتنے زمانے میں بہرام شاہ کے ظلم وستم سے دوست بھی دشمن بن گئے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد قید ہوا اور قتل کیا گیا۔

بہرام کا لڑکا مسعود شاہ تخت پر آیا۔ مگر وہ نکما نکلا۔ چند ہی مہینے میں تخت سے اُتار دیا گیا۔ اب ناصرالدین محمود کی بھی خدا نے سن لی۔ قید خانے کی تکلیفوں سے چھٹکارا ملا۔ سرداروں نے اطاعت قبول کی۔ خاک سے تخت پر بٹھایا۔ یکایک سلطنت کا مالک ہوگیا۔ رہنے کو محل اور قلعے۔ پہننے کے لئے اطلس و کمخواب کے خلعت تھے۔ خدمت کے لئے ہزاروں نوکر لونڈیاں تھیں۔ خرچ کرنے کے لئے خزانہ موجود تھا۔ مگر اس کی طبیعت میں ذرا سا بھی فرق نہ آیا۔

اس نے اپنی فقیرانہ زندگی نہ چھوڑی۔ خزانے سے ایک ٹکا تک نہ لیتا تھا۔ قرآن شریف کی نقلیں

کرکے اور کتابیں لکھ لکھ کر گزر بسر کرتا تھا۔ تعیش کے سامان تو تھے ہی نہیں بادشاہ کو قلمی نسخوں اور خوشخط لکھی ہوئی کتابوں سے خوب آمدنی ہوجاتی تھی۔ جو گزارے کے لئے کافی ہوتی تھی۔ بادشاہ کے محل میں نہ تو ہزاروں بیگمیں تھیں۔ نہ ان کی خدمت کے لئے نوکر چاکر تھے۔ کنبے میں صرف دو آدمی تھے۔ ایک تو خود بدولت اور دوسری سلیمہ بیگم صاحبہ۔ اس لئے کچھ زیادہ ذاتی خرچ نہ تھا۔

سلیمہ بیگم بھی سیدھی سادی۔ نیک اور صبر و شکر کرنے والی عورت تھی۔ سارے گھر کے دھندے اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔ بادشاہ کے لئے کپڑے آپ سیتی تھی۔ کھانا خود پکاتی تھی۔ صبح سے لے کر شام تک کام میں مصروف رہتی تھی۔

ایک دن چولھا گرم کیا۔ روٹی پکانے لگی۔ اتفاق سے آگ کی چنگاریاں ہاتھوں پر آگریں۔ انگلیاں جلکر لکوڑہ ہوگئیں۔ درد کے مارے بیتاب رہنے لگی۔ کئی دن تک گھر میں کھانا نہ پکا۔ تب بیگم نے بادشاہ پر

محنت اور مصیبت حد سے گذرتی دیکھی تو رہا نہ گیا۔ بولی "میرا ہاتھ ابھی کھانا پکانے کے لائق نہیں ہوا۔ چند روز کے لئے ایک ماما رکھ لو۔ میری خاطر تمھیں اتنی مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے۔"

بادشاہ نے جواب دیا "اس میں شک نہیں کہ میں بادشاہ ہوں ایک نہیں ہزاروں لونڈیاں رکھ سکتا ہوں۔ مگر یاد رکھو خزانے میں رعایا کا روپیہ ہے۔ اس میں میرا تمھارا کیا ہے۔ اس کی پائی پائی رعایا کے کاموں میں خرچ ہونی چاہیئے۔ رہی میری آمدنی سو وہ نہایت کم ہے۔ اس میں اتنی گنجائش کہاں کہ ماما رکھ لیں۔ آخر دنیا میں غریب آدمی بھی تو رہتے ہیں۔ ان کی بیبیاں گھر بار کے سارے کام کرتی ہیں۔ بیمار بھی ہوتی ہیں۔ روزہ بھی رکھتی ہیں۔ اس وقت ان کے گھروں کے کام کیسے چلتے ہیں۔ ہم بھی جتنا اللہ نے دیا ہے اتنے ہی میں کیوں نہ خوش رہیں۔ خدا ہماری سب باتوں کو دیکھتا ہے۔ جو لوگ اس کی مرضی پہچانتے ہیں۔ بندگی اور اطاعت کرتے ہیں۔

تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ تب بھی اسی کی رضا پر چلتے ہیں۔ ان کو ضرور اجر ملتا ہے۔ ہر کام میں ہمیں اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

بیگم نے صبر و شکر کیا۔ تھوڑے دنوں میں ہاتھ اچھا ہو گیا۔ پھر خوشی خوشی گھر بار کے کاموں میں لگ گئی۔ تمام عمر اپنے پارسا اور شریف خاوند کی خدمت میں گذاری۔ ایسی نیک اور صبر و شکر میں رہنے والی لڑکیاں اب بھی موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے ہندوستان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے۔

ناصرالدین کی خانگی زندگی تقلید کرنے کے لائق ہے۔ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ سلطنت کے کاروبار میں زیادہ حصہ نہ لیتا تھا۔ خدا نے بھی رحم کیا۔ اسے بلبن سا قابل۔ وفادار اور مدبر وزیر مل گیا جو نہایت ایمانداری سے تمام کام چلاتا رہا۔ بادشاہ کے کوئی لڑکا نہ ہوا۔ چند روزہ بیماری کے بعد جب اس کا انتقال ہو گیا تو بلبن کو سلطنت مل گئی جس نیت سے کام کیا تھا اس کا انعام یہیں مل گیا۔

سوالات

۱۔ ناصرالدین محمود سے پہلے اور رضیہ کے بعد کتنے بادشاہوں نے حکومت کی۔

۲۔ ناصرالدین کی شروع کی زندگی کیسی کٹی؟

۳۔ قید خانے کی زندگی کا اس پر کیا اثر ہوا۔؟

۴۔ اس کی سلطنت کا انتظام کیسے چلتا رہا؟

۵۔ سلیمہ بیگم کے متعلق سارے حالات بیان کرو؟

۶۔ ناصرالدین کی خانگی زندگی کیوں تقلید کے لائق ہے؟

۱۲۔ علاءالدین خلجی

خلجی دراصل ترک تھے۔ دریائے جیحون کے کنارے سے افغانستان میں آئے۔ غور خاندان کے بادشاہوں کے ہمراہ ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ان کے پانچ بادشاہوں نے تیس برس ہند میں سلطنت کی۔ سب سے پہلا بادشاہ جلال الدین خلجی دہلی

کے تخت پر بیٹھا

یہ بڑا رحم دل امن پسند اور منصف مزاج تھا۔ باغی سرداروں کو بھی معاف کر دیتا تھا۔ لٹیروں۔ ڈاکوؤں اور رہزنوں پر بھی سختی نہ کرتا تھا۔ اس لئے ملک میں بد امنی پھیلی ہوئی تھی۔

علاء الدین سلطان جلال الدین کا بھتیجا تھا۔ خوش نصیب اتنا تھا کہ بادشاہ کے من میں چڑھ گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے دامادی میں قبول کر لیا۔ کڑے کا حاکم بنا دیا۔ مگر علاء الدین کا بیوی کے مارے ناک میں دم رہتا تھا۔ ساس سے بھی ڈرتا تھا مگر جلال الدین سے ان باتوں کا ذکر کرنے کی مجال نہ تھی۔ رات دن یہی سوچتا رہتا تھا کہ ان سے کیونکر چھٹکارا ہو۔

دیوگڑھ میں راجہ رام دیو کا راج تھا۔ دکن کے راجاؤں میں یہ سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اس کی دولت اور شان و شوکت کا حال سن سن کر علاء الدین کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے سلطان جلال الدین سے مالوہ فتح کرنے کی اجازت طلب کی مگر اس پر اپنا

اصلی ارادہ ظاہر نہ کیا۔ اجازت ملنے سے پہلے ایک لشکر جرار تیار کر لیا۔ آٹھ ہزار سواروں کو لیکر چل دیا۔ بندھیا چل کو طے کر کے دیوگڑھ جا پہنچا۔ راجہ رام دیو کو ایسے اچانک حملہ ہونے کا خیال بھی نہ تھا۔ تمام فوج راج کنور لے کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے گیا ہوا تھا۔ راجہ رام دیو غنیم کے لشکر کا شور سن کر دنگ رہ گیا۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جس طرح بن پڑا کچھ فوج سمیٹ کر قلعہ کے باہر نکلا۔ مقابلہ کیا۔ شکست کھائی۔ قلعہ میں پناہ لی۔ علاء الدین نے قلعہ کا محاصرہ کیا مگر جب یہ خبر سنی کہ راجہ رام دیو کا لڑکا فوجیں لئے واپس آرہا ہے تو صلح کا پیغام دیا۔ بہت سی دولت مانگی۔ راجہ نے کئی من چاندی۔ سونا۔ ہیرے اور جواہرات دے کر اس بلائے ناگہانی سے جان چھڑائی دولت سے مالا مال ہوکر علاء الدین کڑے واپس آیا۔

اس وقت جلال الدین گوالیار میں تھا۔ داماد کے کارنامے سن کر جامے میں پھولا نہ سمایا خوشی

خوشی دہلی واپس آیا۔ وزیروں نے بہتیرا سمجھایا کہ علاءالدین کی نیت خراب ہے کڑے پہنچنے سے پہلے ہی اس سے ساری دولت لے لو۔ مگر اس نے ایک نہ مانی۔ بیجا محبت اور بھروسہ کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اپنی موت بلالی۔

علاءالدین کڑے پہنچتے ہی جلال الدین کو قتل کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں دکن سے بہت سا زر وجواہر لایا ہوں۔ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ کی بغیر اجازت اس مہم پر جانے کی معافی چاہتا ہوں۔ حضور کی ناراضی کی وجہ سے دہلی آنے سے ڈرتا ہوں اگر جہاں پناہ تشریف لاویں تو بندہ پروری ہوگی۔ ورنہ غم میں روتے روتے جان دیدوں گا۔ اتنے پر بھی جلال الدین بھتیجے کی چالوں کو نہ سمجھا۔ فوراً جواب لکھا۔ یکقلم سب قصور معاف اور کڑے آنا بھی منظور ہے۔

علاءالدین اپنی فوجیں لے کر کڑے سے چلا۔ دریائے گنگا

کے دونوں کناروں پر فوجوں کے پرتے جما دیئے۔
جلال الدین ان فوجوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ میرے استقبال کو آئی ہیں۔ اتنے میں علاء الدین کے بھائی الماس بیگ نے پڑکر سجدہ کیا اور عرض کی کہ اگر حضور آج تشریف نہ فرماتے تو علاء الدین جنگلوں میں نکل جاتا۔ حضور کے خوف سے کانپ رہا ہے۔ استقبال کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ اگر حضور کے ساتھ اتنے آدمی دیکھے گا تو ضرور خوف سے بھاگ جائے گا اس لئے اگر حضور کا لشکر یہیں پڑاؤ کرے اور حضور کشتی میں سوار ہو کر مانک پور تشریف لے چلیں تو مناسب ہوگا۔ سلطان جلال الدین اس وقت قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ الماس بیگ کی باتوں پر توجہ نہ کی اور ہاں کر لی۔
ادھر جلال الدین کشتی میں سوار ہوا ہی تھا کہ علاء الدین چند سپاہیوں کو لیکر دوسری کشتی میں بیٹھ کر قدمبوسی کے لئے روانہ ہوا۔ دونوں کشتیاں قریب آئیں جلال الدین بڑے تپاک سے داماد سے ملنے کے لئے اٹھا۔ پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ پیار کیا۔ اور منہ سے یہ کہہ

ہی رہا تھا کہ تمھاری محبت نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
کہ اتنے میں علاءالدین کے سپاہی محمود نے اشارہ پاتے
ہی بادشاہ پر تلوار کا وار کیا۔ سر کٹ کر دریا میں گر پڑا
اور تن کشتی پر تڑپنے لگا۔ بے رحم بھتیجے نے جلال الدین
کے ہمراہیوں اور لشکر کو مغلوب کر لیا۔ اور دہلی کا بادشاہ
بن بیٹھا۔ کہتے ہیں کہ جہاں بادشاہ کا سر کٹ کر گرا تھا
اور دریا میں گم ہو گیا۔ اس کنارے ایک گاؤں کا نام
گمسرا یا گھمسرا ہو گیا اور بادشاہ کا تاج بہتے بہتے دوسرے
کنارے پر جا لگا۔ وہ ملاحوں کے ہاتھ آیا۔ وہ علاءالدین
کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔ علاءالدین نے اس کے
صلہ میں گنگا پار کی زمین ان ملاحوں کو بخش دی۔ اور
ان کا گاؤں تاج ملاح کے نام سے مشہور ہو گیا۔ تاج ملاح
اور گھمسرا دونوں گاؤں انھیں ناموں سے ابتک مشہور ہیں
دہلی کے تخت پر بیٹھ کر علاءالدین نے تمام بغاوتوں
کو دبا دیا۔ سرحدی حملوں کا تلوار سے جواب دیا۔ مغلوں

نوٹ۔ جلال الدین خلجی کے کشتی میں قتل ہونے کا واقعہ مسلم الثبوت نہیں

کے دلوں میں ہندی تلوار کی دھاک بیٹھا دی۔ ایک لشکر جرار تیار کر کے سلطنت کے انتظام کو درست کیا۔ پھر فتوحات پر کمر باندھی۔

پہلے رنتھمبور اور چتوڑ کے مشہور قلعوں کو فتح کیا۔ پھر دکن کی طرف باگیں اٹھائیں۔ اپنے سپہ سالار ملک کافور کو راجہ رام دیو کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ راجہ نے اطاعت قبول کی۔ وارنگل کو فتح کیا۔ پھر دوار سمدر کا رخ کیا آخر کار راجکماری تک جا پہنچا۔ یہاں اپنی فتح کی یادگار میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ علاءالدین کی سلطنت ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک پھیل گئی۔

علاءالدین جیسا بہادر اور اولوالعزم تھا ویسا ہی انتظام سلطنت میں قابل اور فرد تھا۔ اس کے زمانے میں قحط کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ گیہوں۔ چنا نہایت سستا تھا۔ چیزوں کا نرخ مقرر تھا۔ کم تولنے والوں کو سزا ملتی تھی۔ شراب کھینچنے کی ممانعت تھی۔ جو شراب پیتا تھا اس کو اندھے کنوئیں میں ڈال دیتے تھے۔ امیر امرا کو بیاہ شادیاں کرنے میں بھی بادشاہ کی اجازت

لینی پڑتی تھی۔ اگر کوئی امیر مر جاتا تھا تو اسکی تمام دولت اور جاگیریں بادشاہ واپس لے لیتا تھا۔ ان سب باتوں کا یہ اثر ہوا کہ نہ تو کوئی امیر شراب کے نشہ میں فتنہ پردازی کر سکتا تھا۔ نہ دوسرے امیروں کو ملا کر بادشاہ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر سکتا تھا۔ اور نہ مال و دولت اور جاگیروں کے برتے بغاوت کے لئے فوجیں تیار کر سکتا تھا۔ ان تدبیروں سے بادشاہ نے اپنے تخت و تاج کو باغیوں کے ڈر سے آزاد کر دیا۔

سوالات

۱۔ علاء الدین نے تخت کیونکر حاصل کیا؟
۲۔ اس نے ملک میں کیا کیا انتظام کئے؟
۳۔ کافور کون تھا؟ اس نے کیا کیا؟
۴۔ بغاوتوں کا کھٹکا مٹانے کے لئے کیا تدبیریں کیں؟

۵۔ "جلال الدین محبت میں اندھا ہو گیا۔" اس کی صداقت کا ثبوت دو۔

۶۔ گھمسرا اور تاج ملاح کیوں مشہور ہیں؟۔

۱۳۔ بابر

عمر شیخ مرزا وسط ایشیا کی چھوٹی سی ریاست فرغانہ کا بادشاہ تھا۔ اس کے سب سے بڑے لڑکے کا نام ظہیر الدین بابر تھا۔ جب باپ مرا تو بابر کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی۔ ابھی تخت پر بیٹھے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ اس کے چچا اور بھائی نے ملک پر حملہ کر دیا اس لئے سلطنت کمزور ہو گئی چاروں طرف سے مصیبتیں آنے لگیں۔ تخت پر بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ مگر یہ بھی ہمت والا تھا۔ سب کو برداشت کرتا رہا۔ بہت

دفعہ گرا۔ مگر پھر سنبھل گیا۔ کبھی خاک کا اوڑھنا اور خاک کا بچھونا تھا تو کبھی سارے ترکستان میں بابر کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ بائیس برس تک اسی کشمکش میں گزرے۔ آخر وطن چھوڑنا پڑا۔

کابل میں بابر کا چچا حکمراں تھا۔ اس کے وزیر خسرو نے اپنے آقا کو قتل کر کے تخت لے لیا۔ اور بادشاہ بن گیا مگر رعایا ناراض تھی۔ بابر نے موقع پاکر کابل پر چڑھائی کی۔ چچا کے پرانے رفیق بھی آملے۔ خسرو اکیلا رہ گیا۔ اس نے بھی اطاعت قبول کی۔ یہ قسمت کا کھیل دیکھو کہ ایک سلطنت ہاتھ سے نکل گئی تو دوسری سلطنت خود بخود مل گئی۔

جب بابر کابل پر قابض ہوگیا۔ تو اس کو یہاں کی سرزمین ایسی پسند آئی کہ وطن کو بھی بھول گیا۔ شہر کے برابر دامن کوہ میں ایک ایسا باغ لگوایا۔ جو کشمیر کے باغات کو بھی مات کرتا تھا۔ اس میں نو درجے تک برابر پھولوں کی کیاریاں اترتی چلی گئی تھیں۔ جا بجا چشموں سے نہریں نکلتی تھیں۔ نہروں



علاؤالدین خلجی



بابر



شہنشاہ اکبر



جہانگیر



شیرشاہ سوری



مہارانا پرتاب سنگھ

کا پانی جھرنوں سے چادر کی شکل میں گرتا ہوا عجب بہار دیتا تھا - جا بجا حوضوں میں قسم قسم کی مچھلیاں تیرتی تھیں - اور درختوں پر طرح طرح کے پرندے اپنی اپنی بولیوں سے جی لبھاتے تھے - سب سے اوپر کے درجے میں ایک نہایت ہی خوبصورت بارہ دری تھی - جس میں بیٹھ کر کوسوں تک پھول اور سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا یہاں ناچ و رنگ کی محفلیں جمتی تھیں - بیچوں بیچ میں ایک سنگ مرمر کا حوض بنوایا تھا - جس کے کنارے بابر اپنے مصاحبوں کو لے کر بیٹھتا تھا - غزلیں کہتا گانا سنتا تھا - حوض میں انگوری شراب بھری جاتی تھی - اس میں ہر ایک سردار کے لئے رنگ برنگ کی پیالیاں تیرنے کے لئے پڑی رہتی تھیں ان پیالیوں سے طرح طرح کے کھیل سطح شراب پر کھیلے جاتے تھے - جو بازی جیت جاتا تھا - وہ اپنی پیالی میں شراب بھر کر پی لیتا تھا - بابر گھنٹوں ان کھیلوں سے دل بہلایا کرتا تھا - اس طرح سے

اس کے سب سردار رنگ رلیوں میں مصروف رہتے تھے۔

بابر کی زندگی کے کئی برس کابل میں بڑے لطف اور مزے سے گزرے۔ جب طبیعت بالکل سیر ہوگئی اور جی اُکتانے لگا۔ تو پھر دل میں جنگی جوش پیدا ہوا۔ ایک لشکر جرار ساتھ لے کر ہندوستان پر فوج کشی کرنے کو تیار ہوگیا۔ کابل سے اٹھ کر ہندوستان میں داخل ہوا۔ یہاں اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ابراہیم لودی پانی پت کے میدان میں پہلے سے موجود تھا۔ اس مقام پر بڑے زور شور سے لڑائی ہوئی۔ بابر فتحیاب ہوا۔ اور ابراہیم لودی مارا گیا میواڑ کا راجہ رانا سانگا کب چاہتا تھا کہ بابر دہلی کا بادشاہ بن کر ہندوستان میں سلطنت قائم کرے۔ وہ تو ابراہیم لودی کو کمزور بنانا چاہتا تھا۔ اور خود دہلی پر

قبضہ کرنے کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ جب اس نے بابر کے قدم یہاں جمتے دیکھے تو وہ اس کو ملک سے نکالنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔

یہ دشمن بڑا قوی ہیکل تھا۔ ۷۰ لڑائیاں لڑ چکا تھا۔ جسم کے ہر حصہ پر تلواروں کے زخموں کے نشان موجود تھے۔ بابر بھی ایسے تجربہ کار اور جری سپاہی سے ڈرتا تھا۔ سپاہ بھی تھوڑی رہ گئی تھی۔ ان کا وہ دم خم بھی نہ رہا تھا۔ جب رانا سانگا کا مقابلہ ہوا تو سپاہیوں نے جواب دے دیا کہ اب ہم میں لڑنے کی طاقت نہیں رہی۔ بابر کو عمر بھر کبھی ایسی مصیبت پیش نہ آئی تھی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو بلایا اور اس طرح ان کے سامنے تقریر کی "اے بہادر سپاہیو! تم کو معلوم ہے کہ تم کتنی دور سے آئے ہو کہاں کھڑے ہو؟ کتنے عرصے تک مصیبتیں جھیلی ہیں کیسے خطروں سے اپنی جان بچا کر

یہاں پہنچے ہو۔ کتنے دوستوں نے تمھارے لئے اپنی جانیں دی ہیں۔ کتنی مشکل سے اتنا مُلک فتح ہوا ہے اور کابل سے آگرہ تک تمھارا جھنڈا لہراتا ہے۔ اگر تم میدان سے مُنہ موڑکر بھاگے تو کیا تم اپنی جانیں لے کر وطن تک پہنچ سکو گے فوج کے کم ہونے کا خیال کرتے ہو۔ دل اگر مضبوط ہیں تو سب کچھ ہے۔ تم نے ذرا بھی کمزوری دکھائی۔ تو اتنے بڑے مُلک میں تمھاری ایک بوٹی بھی نظر نہ آوے گی۔ ہاتھ میں تلوار ہے۔ تو پھر کس بات کا ڈر ہے۔ مرجانے کے مقابلے میں بے عزّتی کی زندگی بسر کرنا کس کو پسند ہے؟ بے وفائی کرنے سے مرجانا بہتر ہے۔ موت سے کون بچا ہے۔ بہادروں کی طرح لڑو اور اپنے آقا کی نمک حلالی کر کے عاقبت میں بھی سُرخروئی لو۔" یہ لفظ سُنتے ہی سب کے چہرے سُرخ ہو گئے۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ سب نے تلواروں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ جب تک جان میں جان

ہے۔ تب تک ایمان کے نام
میدان جنگ سے منہ نہ موڑیں

بابر نے اسی وقت اپنے خیمے سے انگوری شراب جو ابھی کابل سے آئی تھی، منگوائی اور سب کے سامنے زمین پر پھنکوا دی۔ سونے چاندی کے پیالے تڑواکر خیرات کر دئے۔ اور قسم کھائی کہ میں آج سے تمام عمر کبھی شراب نہ پیونگا۔ یہ کہہ کر فوراً دو زانو ہوگیا۔ اور خدا سے منّت کی کہ میرے گناہ بخش دے۔ تاکہ اس لڑائی میں مجھ کو فتح نصیب ہو۔ سب نے آمین کہی۔ اور اپنے اپنے ڈیرے خیموں میں جاکر تیاریاں کرنے لگے۔

ابھی سورج کی کرنیں بلند نہ ہوئی تھیں کہ بابری جھنڈا میدان جنگ میں لہرانے لگا۔ توپوں کے گولوں کی بارش شروع ہوگئی۔ دونوں طرف سے جی توڑ کر لڑائی ہوئی۔ رانا سانگا بھی کچھ کم نہ تھا اس لئے راجپوت سپاہیوں نے بڑی مردانگی کے ساتھ ترکی تلواروں کے منہ پھیر دئے مگر دوپہر

ڈھلتے ہی رانا سانگا ہارا گیا اِس سے پہلے ہی فوج کے دل ٹوٹ چکے تھے۔ اب قدم میدان جنگ سے اُکھڑ گئے۔ بابر کی فتح کے نقّارے بجنے لگے۔ اور سارا مُلک اس کے قبضہ میں آ گیا۔

بابر کی تمام زندگی ہار اور جیت میں گزری تھی۔ اُس نے کبھی چین سے بیٹھ کر سلطنت نہ کی۔ اب عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اس کا پیارا لڑکا ہمایوں جب بیمار ہوا تو بابر بہت رنجیدہ رہنے لگا بہتیرے علاج کئے۔ لیکن کسی دوا دارو سے فائدہ نہ ہوا۔ اپنے پُرانے امیروں اور سرداروں سے مشورہ کیا کہ کسی طرح ہمایوں کی جان بچ جائے کسی نے کہا کہ آپ کے پاس جو سب سے زیادہ عزیز اور بیش قیمت چیز ہو اُس کو راہ خدا پر دے دیجئے تو شاید لڑکے کی جان بچ جائے۔ لوگوں نے کوہ نور ہیرے کی یاد دلائی۔ مگر بابر نے کہا۔ کوہ نور کی کیا حقیقت ہے میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوں یہ کہتے ہی فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور بیٹے کی چار پائی کے

گرد تین مرتبہ پھرا اور خداوند تعالیٰ سے دعا کی کہ اے خدا! میرے عزیز بیٹے کو صحت دے۔ اور اس کے بدلے میری جان لے لے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ بابر اسی وقت سے بیمار ہونے لگا۔ اور ہمایوں کو دم بدم صحت ہونے لگی۔ یہ دعا سچے دل سے نکلی تھی اس لئے قبول ہوئی۔ بابر چند روز بیمار رہ کر دُنیا سے رخصت ہوگیا اور ہمایوں چنگا ہوکر اپنے باپ کے تخت پر بیٹھ کر سلطنت کرنے لگا۔

سوالات

۱۔ بابر کے والد کی موت کس طرح ہوئی تھی؟
۲۔ بابر کو اپنے بچپن میں کن کن مصیبتوں کا مقابلہ کرنا پڑا؟
۳۔ ابراہیم لودی اور بابر کی لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا؟
۴۔ رانا سانگا کے ساتھ لڑائی کرنے میں کیا کیا واقعات پیش آئے؟
۵۔ بابر ہندوستان میں کتنے عرصے تک حکمران رہا؟
۶۔ بابر کی زندگی میں کیا کیا انقلاب ہوئے؟
۷۔ بابر کی وفات کے بارے میں کون سا قصہ مشہور ہے؟

۱۴۔ شیر شاہ سوری

شیر شاہ کا دادا ابراہیم خان افغانستان میں گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا۔ اس کام میں محنت زیادہ اور آمدنی کم تھی۔ دہلی میں افغان سپاہیوں کی ضرورت رہتی تھی۔ وطن چھوڑ کر جو کوئی گیا لڑائیوں میں نام کیا۔ رتبے پائے جاگیریں لیں۔ مالدار ہوگیا۔ عمر بھر چین سے گزاری۔

ابراہیم خان بھی اپنے بیٹے حسن خاں کو ساتھ لے کر ہندوستان میں آیا۔ دربار میں حاضر ہوا۔ نوکری مل گئی۔ مگر لودھی بادشاہوں کی حکومت میں جی نہ لگا۔ صوبہ بہار چلا گیا۔ وہاں اور بھی زیادہ قدر ہوئی۔ سہسرام کی حکومت مل گئی۔ دن رات آرام سے کٹنے لگے۔

ابراہیم کے مرنے کے بعد حسن خان جاگیر کا مالک ہوگیا۔ دولت بہت تھی۔ چار شادیاں کیں۔

عمر بھر کا عذاب جان کے لئے مول لے لیا۔ ہ ایک بیوی کے دو دو لڑکے ہوئے۔ بڑی کے لڑکوں کے نام فرید اور نظام تھے۔ سب سے چھوٹی کے سلیمان اور احمد پیدا ہوئے۔ گھر میں سلیمان کی ماں کا حکم چلتا تھا۔ سوتیلیوں سے ہر وقت گھر میں لڑائی رہتی روز نئے ہنگامے برپا ہوتے۔ ان کے بچوں پر ستم پر ستم ٹوٹتے۔ ابراہیم کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ گھر کیا دوزخ کا نمونہ تھا۔ فرید کی ماں سے تو اس قدر اَن بَن رہنے لگی کہ خدا کی پناہ۔ آخر حسن خاں نے غصّے میں آکر اس کو قتل کر ڈالا۔ فرید بڑا ہو گیا تھا سمجھدار تھا۔ ماں کے مرنے کا بہت رنج ہوا۔ باپ کی باتوں سے ناراض ہو کر گھر سے بھاگ گیا۔ جونپور میں دم لیا۔ زیادہ شادیاں کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔

اس زمانے میں افغانوں کے بچے بچے کی بڑی قدر تھی۔ شاہ جونپور نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ بیٹوں کی طرح پالا۔ لکھایا۔ پڑھایا۔ ہر طرح مدد کی۔ ہر وقت دلجوئی کرتا رہتا تھا۔ یہ بھی بڑا ہونہار نکلا۔ سلطان

کے پسینہ پر خون بہانے کو تیار رہتا تھا۔
ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان محمد شکار کھیلنے گیا۔ فرید بھی ساتھ تھا۔ راستہ میں گھنی جھاڑیوں کا جنگل تھا۔ وہاں ایک شیر گھات لگائے بیٹھا تھا۔ جونہی سلطان محمد پاس سے گزرا۔ شیر نے ایک جست لگائی دبوچنا ہی چاہتا تھا کہ فرید نے بجلی کی طرح تڑپ کر تلوار پر لیا۔ پیٹ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ گھائل ہو کر زمین پر گرا اور دم توڑ دیا۔ سلطان محمد بال بال بچ گیا۔ فرید کو گلے لگایا۔ جوانمردی کی تعریف کی۔ شیر خان کا خطاب عطا کیا۔ انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔
سوتیلے بھائیوں کو خبر ہوئی۔ انھوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ سلطان کو شیر خان کی طرف سے بدظن کر دیا۔ جونپور سے نکال کر دم لیا۔
اسی زمانے میں بابر نے ابراہیم کو شکست دی۔ آگرہ اور دہلی کا تخت حاصل کرکے بہار کا رخ کیا۔ شیر خاں بھی بابر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا قد و قامت وضع قطع دیکھ کر رفیقوں میں لے لیا۔

میدان میں بہادری دیکھ کر اعلیٰ عہدے پر مقرر کیا۔
ایک دن کا ذکر ہے کہ بابر بادشاہ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا۔ شیر خاں بھی کھانے میں شریک تھا۔ یہ نوعمر ناتجربہ کار افغان مغلیہ آداب دسترخوان سے کب واقف تھا۔ اتنے میں ایک تشتری میں کچھ جمی ہوئی چیز پیش ہوئی۔ شیر خاں اس کے کھانے کے طریق سے ناواقف تھا۔ فوراً کمر سے خنجر نکال تشتری میں ٹکڑے کئے۔ اور خنجر ہی کی نوک سے کھانا شروع کردیا۔ تمام مصاحبین کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ بابر نے بھی دیکھ لیا۔ وہ نہایت دور اندیش تھا۔ رفیقوں کی آگاہی کے لیے صرف اتنا کہہ کر ٹال گیا۔ دیکھنا! یہ افغان بچہ ہے سلطنت کے ٹکڑے کرکے نہ نکل جائے! شیر خاں کے دل میں بادشاہ کی بات چبھ گئی۔ اسی دن سے اس نے سمجھ لیا کہ ایسے مزاج داں بادشاہ کے سامنے کوئی تدبیر پیش نہ جائے گی۔ تھوڑے ہی عرصے میں کسی بہانے سے اپنی جاگیر پر واپس چلا آیا۔ باپ مر چکا تھا۔ اس کے انتظام میں مصروف ہوگیا۔

بابر کے بعد ہمایوں بادشاہ ہوا۔ اس کی بہادری اور شجاعت میں تو کچھ شبہ نہ تھا۔ مگر آرام طلب بہت تھا۔ ایک طرف کی بغاوتیں دبا کر آرام میں لگ جاتا تھا تو دوسری طرف شورشیں شروع ہوجاتی تھیں۔ شیر خاں نے بہار میں سکہ جما لیا تھا۔ ملکہ لاڈا بیگم سے شادی ہوگئی چنار کا قلعہ اور ایک پورا خزانہ ہاتھ آگیا۔ بابر کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ مغلیہ قوت کا اندازہ کر چکا تھا۔ اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ افغانوں کی نااتفاقی نے سلطنت غارت کردی۔ اب بھی اگر ایک جھنڈے تلے اکٹھے ہوجائیں تو مغلوں کے قدم جمنے نہ پائیں۔ آخر وہ دن بھی آگیا کہ شیر خان نے ہمایوں کو چوسا کے مقام پر شکست دے کر ہندوستان سے باہر نکال دیا۔ فتح کا نقارہ بجاتا ہوا دہلی پہنچا۔ تاج پوشی کی رسم ادا کی۔ شیر خاں سے شیر شاہ سوری کا لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ سکہ جاری کیا۔

شیر شاہ نے صرف پانچ سال سلطنت کی۔ اس کا ہندوستان کے مشہور بادشاہوں میں شمار ہے ہر سال

زمین کی پیمائش کراتا۔ پیدا وار کے لحاظ سے
لگان مقرر کرتا۔ ہر موضع میں سرکاری ملازم
تھے۔ ان کا تبادلہ دوسرے سال ہوتا رہتا
تھا۔ تاکہ کوئی رشوت ستانی اور زبردستی
سے کام نہ لے۔ مسافروں کے آرام کے
لئے بنگال سے پنجاب کی سرحد تک ایک
سڑک بنوائی تھی۔ یہ ۲۰۰۰ میل لمبی ہے۔
کناروں پر دوطرفہ سایہ دار درخت لگے تھے۔ دو
دو میل کے فاصلے پر سرائیں اور کنویں تھے۔
ان میں ہرکاروں اور ڈاک کے گھوڑوں کا انتظام
تھا۔ تاکہ دور دور کی خبریں دربار میں آتی رہیں۔
اپنے وطن اور قوم سے اتنی محبت
تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ افغان کو بھی
دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اپنے
گاؤں کے بچے بوڑھے لڑکے لڑکیوں کے
لئے تحفے اور نذرانے بھیجتا رہتا تھا۔
اس کے زمانے میں چوری رہزنی کا نام تک

نہ تھا۔ اس قدر امن و امان تھا کہ ایک بوڑھی عورت بھی سر پر زیوروں کا ٹوکرا لیے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بے خطر سفر کر سکتی تھی۔ اس کا مقبرہ سہسرام میں ہے اور خوبصورتی میں لاجواب ہے۔

سوالات

۱۔ بہت سی شادیاں کرنے کا نقصان بتاؤ؟
۲۔ فرید کا بچپن کن کن مشکلوں میں کٹا؟
۳۔ اس نے شیر خاں کا خطاب کس طرح پایا؟
۴۔ اس نے دہلی کی سلطنت کیونکر حاصل کی؟
۵۔ اس نے ملک کا انتظام کیسے کیا؟
۶۔ اپنے ہمقوموں سے کیونکر پیش آتا تھا؟ اور کیوں؟

۱۵ - اکبر اور اس کے مشہور رتن

۱- اکبر کا لڑکپن

جس زمانے میں ہمایوں شیر شاہ سے ہار کر مع اپنی بیگم کے سندھ کے ریتیلے میدانوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اور ایران کے بادشاہ سے مدد مانگنے کے لئے ملک سے باہر جانے کو تیار تھا تو امرکوٹ کے قلعہ میں اکبر پیدا ہوا۔

دور و دراز کا سفر اور بلا کی گرمی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس ننھی سی جان کو کہاں کہاں لئے پھروں گا اتنے میں بیرم خاں نے آکر چپکے سے خبر دی کہ مرزا عسکری فوج لئے سب کو گرفتار کرنے کے لئے آ پہنچا۔ سرداروں سے مشورہ کیا تو یہ قرار پایا کہ اکبر کو ملازموں سمیت یہیں چھوڑ دیا جائے اور چند وفادار سرداروں کو ہمراہ لے کر اس مقام سے

کوچ کیا جائے۔ اتنے میں عسکری آ پہنچا ہمایوں کو موجود نہ پایا پس اکبر کو اپنے ساتھ لے کر قندھار چلا گیا۔ خدا کی شان دیکھو کہ باپ کے جانی دشمن بیٹے کے حق میں ماں باپ ہو گئے۔ جب ہمایوں ایران کے بادشاہ سے سپاہ لے کر لوٹا تو دونوں بھائی عسکری اور کامران گھبرائے۔ آپس میں صلاح مشورے ہونے لگے۔ کہ اب کیا کریں۔

کامران نے اکبر کو کابل بلا لیا تو تھا مگر چچا بھتیجے کے لہو کا پیاسا تھا۔ کئی بار چاہا کہ کسی بہانے سے مروا ڈالے مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا تھا۔ کہ ممکن ہے آڑے وقت پر یہی کام آئے اور ہماری تقصیر معاف کروائے۔

ایک دن کامران نے شہر آرا باغ میں دربار کیا۔ اکبر کو بھی بلایا۔ شب برات کا دن تھا۔ رسم کے بموجب سرداروں نے ایک رنگین اور خوبصورت چھوٹا سا نقارہ کامران کے لڑکے کو

نذر کیا۔ اس نے ہاتھوں میں لے لیا۔ اکبر بھی بچہ تھا۔ فوراً مچل گیا کہ نقارہ میں لے لونگا۔ کامران نے کہا کہ دونوں کشتی لڑو۔ جو پچھاڑ دے اُسے نقارہ مل جائے گا۔ کامران کا لڑکا ابراہیم۔ اکبر سے بڑا تھا۔ سب کو یہ خیال ہوا کہ اکبر چوٹ بھی کھائے گا اور نقارہ بھی نہ پائے گا۔ مگر یہ سنتے ہی وہ فوراً ابراہیم پر لوٹ پڑا اور اُس نے خوب گتھم گتھا کے بعد ابراہیم کو اُٹھاکر زمین پر دے پٹکا۔ درباریوں نے واہ واہ کی۔ کامران شرمندہ سا ہوگیا۔ اس کے دل میں کھٹکا لگ گیا کہ آثار اچھے نہیں ہیں۔

اکبر کا بچپن تو بڑی مصیبتوں میں کٹا تھا۔ نہ کوئی تعلیم کا سلسلہ قائم ہوا نہ کبھی جان کا خوف دور ہوا۔ جب ہمایوں اپنے بھائیوں کی بے وفائی سے تنگ آگیا تو اُس نے کامران کو کابل میں سزا دینی چاہی۔ اکبر چھوٹا سا بچہ تھا۔ قلعہ پر باپ کی فوج گولہ باری کر رہی تھی۔ بے رحم چچا نے گولیوں کی بوچھار میں قلعے کی دیوار پر بھتیجے کو بٹھا

یا۔ انّا غریب بچّے کو گود میں لے کر اپنی پیٹھ گولوں کی طرف کر کے بیٹھ گئی۔ کہ پہلے میرا کام تمام ہوجائے پھر بچّے کی جان پر آنچ آئے۔ مگر شروع ہی سے اکبر کا اقبال زبردست تھا اور خدا کو اس سے بڑے بڑے کام لینے منظور تھے۔ ہمایوں کی توپیں خراب ہوگئیں اور گولے چلنے بند ہوگئے۔ سامنے جو نظر پڑی تو دیکھا کہ کوئی عورت بچّے کو لئے قلعہ کی دیوار پر بیٹھی ہے۔ قلعہ فتح ہو ہی چکا تھا۔ فوراً سوار دوڑے آئے اور کامران کو قید کر کے اکبر کی جان بچالی۔ باپ نے بیٹے سے مل کر آنکھیں روشن کیں۔ اور خدا کا شکر بجا لایا۔

جب قلعے میں امن قائم ہوگیا۔ تو حرم سرا میں بیبیاں اور بیگم اُتریں۔ اس وقت عجب تماشا ہوا۔ اکبر کو ماں سے جدا ہوئے بہت عرصہ ہوگیا تھا۔ بیگم اپنے بچھڑے ہوئے بچّے سے ملنے کو ترس رہی تھی۔ فوراً اندر بلوایا۔ بیبیوں نے یہ صلاح کی کہ دیکھیں یہ بچّہ اپنی والدہ کو پہچانتا ہے

یا نہیں - جب انّا اکبر کو لے کر محل میں آئی تو سب
بیبیاں بیگم کو اپنا ہی سا لباس پہنا کر لائیں اور
اپنے ساتھ بیٹھا لیا - اکبر اُس وقت چار برس کا تھا۔
انّا کی اُنگلی پکڑے آیا۔ تو ایک عورت نے کہا۔
لو اماں جان کو پہچانو اور ان کی گود میں جا بیٹھو۔
بھولا بچّہ پہلے تو کھڑا سب عورتوں کو ایک ایک
کرکے دیکھتا رہا - پھر خون کا جوش کہو یا فہم و عقل
کی تیزی سمجھو۔ وہ دفعتاً کِھل کھلا کر ہنسا اور فوراً
ماں کی گود میں جا بیٹھا - ماں کے خوشی کے مارے
آنسو نکل پڑے - گلے سے لگایا اور خوب پیار کیا۔
تمام عورتوں نے یہ تماشہ دیکھ کر اکبر کے ذہن اور
عقل پر آفریں کی -
ہمایوں نے بیرم خاں کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا -
مگر اس کو لڑائیوں سے کب فرصت تھی کہ بیٹھ کر
تعلیم و تربیت کرتا - اپنے ساتھ لڑائیوں میں لئے
لئے پھرتا تھا - اس لئے پڑھنا لکھنا تو ایک حرف بھی
نہ آیا - مگر فن جنگ میں ماہر ہوگیا۔ رفتہ رفتہ

اُستاد اور شاگرد نے بہت سے کھوئے ہوئے ملک فتح کرلئے اور ہمایوں کی سلطنت میں ملا دئے - ہمایوں کو دہلی کے تخت پر ابھی عرصہ نہ گذرا تھا کہ دفعتاً بالاخانے کی چھت پر سے گر کر دنیا سے رحلت کی -

سوالات

۱- اکبر اپنے چچا کامران کے ہاتھ کیوں کر پڑا ؟
۲- اس کے چچا نے باوجود دشمن ہونے کے اس کو کیوں نہیں مار ڈالا ؟
۳- نقارہ لینے کا قصہ سناؤ -
۴- اکبر نے اپنی ماں کو کیوں کر پہچانا ؟
۵- بیرم خاں کون تھا ؟
۶- اکبر کی تعلیم کیسے ہوئی ؟

۲- شاہنشاہ اکبر اعظم

باپ کی وفات کے بعد اکبر تخت نشین ہوا- اُس

وقت اُس کی عمر تقریباً تیرہ برس کی تھی۔ سلطنت
کو سنبھالنا پڑا۔ وقت بہت نازک تھا۔ سلطنت کی بنیاد
اچھی طرح سے قائم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہیموں
آگرہ اور دہلی فتح کرتا ہوا پنجاب پر حملہ آور
ہو۔ سرداروں نے اکبر کو مشورہ دیا کہ کابل بھاگ چلو۔ اگرچہ
اکبر لڑکا تھا مگر عقل و ہمت میں سب کے کان کاٹتا
تھا۔ سرداروں کو اس طرح سمجھانے لگا کہ کابل بہت
دور ہے۔ اُڑ کر بھی جاؤ گے تو نہ پہنچ سکو گے۔ اب
تو تخت ہے یا تختہ۔ ہندوستان کے ساتھ سر
لگا ہوا ہے۔ اس کی تقریر سُن کر سب امرا
جوش میں آ گئے۔ فوراً فوجیں مرتب ہو گئیں۔ پانی پت
کے میدان میں مقابلے کے لئے جا کھڑا ہوا۔
لشکر کے دو حصے کئے۔ ایک تو اپنے ہمرکاب رکھا۔
دوسرے حصے کو ہراول کے طور پر روانہ کر دیا۔
آپ تو سامنے سے لڑتا رہا اور ہراول نے پیچھے
سے جا کر ہیموں کے بارود خانے کو چھین لیا۔
اور پھر مدد کے لئے گرجتا ہوا واپس آ گیا۔ ادھر

اتفاق سے پر چوٹ پڑی کہ اکبر نے رکاب میں قدم رکھا۔ سارے لشکر میں طغیانی سی آگئی۔ ایسا بھاری رن پڑا کہ بڑے بڑے جواں مردوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اتنے میں ہیموں مجروح ہوکر سامنے آیا۔ اکبر کے اقبال نے اس پر ایسا خوف طاری کیا کہ چپ چاپ کھڑا رہا اور ایک لفظ زبان سے نہ نکال سکا۔ بیرم خاں نے کہا کہ حضور دست مبارک سے تلوار ماریں کہ جہاد اکبر ہو۔ لیکن اس نے رحم کھایا اور کہا کہ یہ تو آپ مر رہا ہے۔ اس کو کیا ماروں۔ صرف تلوار چھوا دی۔ بیرم خاں نے ایک ہاتھ میں ہیموں کی گردن اڑادی۔ اور سر کابل بھیجا کہ دروازے پر لٹکا دیا جائے۔ دھڑ دہلی بھجوا دیا تاکہ مفسدوں کو عبرت حاصل ہو۔

اکبر اپنی بہادری کی بدولت اکیس برس کی عمر میں دہلی کے تخت پر بے خرخشے حکومت کرنے لگا۔ اس کے بعد راجپوتوں سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ اس کا دلی مقصد یہ تھا۔ کہ ان کو اپنا دوست و

مددگار بنا کر ان کی مدد سے شمالی ہند کے افغان بادشاہوں پر بھی اپنا سکہ بٹھا دے۔ راجپوت بھی کچھ کم بہادر نہ تھے اور وہ بھی بہادروں کی قدر کرنا جانتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ اکبر کے جوہر دیکھ دیکھ کر عش عش کرتے تھے اور اپنا سچا ہم خیال سمجھ کر ناطے رشتے کرنے میں بھی گریز نہ کرتے تھے۔ لیکن دنیا میں ہر رائے کے کچھ مخالف بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ رانا پرتاپ چتوڑ کا راجہ عمر بھر اکبر کے خلاف ہی رہا۔ اور اس نے اکبر سے رشتہ کرنا اچھا نہ سمجھا۔

ایک دفعہ اکبر میواڑ کے علاقے میں رنتھمبور کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا۔ کوئی صورت قلعہ فتح کرنے کی نظر نہ آتی تھی راجہ سرجن سنگھ اس قلعہ کا حاکم تھا۔ راجپوتوں کے قوانین جنگ بھی دنیا سے نرالے تھے۔ لڑائی کے وقت تو وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو جاتے تھے اور خوب دل کھول کر لڑتے تھے۔ مگر لڑائی ختم ہونے کے بعد دشمن سے بھی دوستانہ سلوک روا رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی بہادرانہ رسم کے مطابق

دن بھر کی لڑائی کے بعد طرفین آپس میں مل کر بیٹھتے تھے اور صلاح مشورے کرتے تھے - ہر ایک اپنی سچی اور صحیح رائے دیتا اور اگر دوسروں کو ناپسند ہوتی تو وہ کبھی ان کی خاطر اپنی رائے کو بدل کر پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔

ایک روز دن بھر گھمسان لڑائی کے بعد راجہ مان سنگھ حسب دستور رانا سرجن سنگھ کے پاس قلعہ میں ملاقات اور مشورے کے لئے جانے کو تیار ہوا اکبر بھی بھیس بدل کر مشعل اٹھائے ہوئے اسکے ساتھ ہولیا - جب دونوں قلعے میں داخل ہوکر رانا کے پاس پہنچے تو وہ فوراً اکبر کو پہچان گیا اور گدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور بڑی تعظیم کے ساتھ اس کو اپنی گدی پر بیٹھا لیا - ذرا اکبر کی ہمت اور جرأت کو دیکھو کہ وہ کیسا دلیر تھا - اور دوسری طرف راجپوتنی وضع داری کو خیال کرو کہ کیا جواب ملتا تھا اگر اس صدی کی لڑائی ہوتی تو اکبر فوراً گرفتار ہوکر تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جاتا - مگر واہ رے راجپوتو! اپنے قلعے میں



دشمن کو بھی مہمان سمجھ کر عزت کرنا تمھارا ہی کام ہے۔ مہابھارت کی رسموں کو اب تک نباہا۔

اکبر نے رانا سے صاف صاف دریافت کیا کہ اب آپ کی کیا خواہش ہے۔ رانا جواب دینے کو تھا کہ مان سنگھ یوں بول اٹھا" ہماری رائے میں تو آپ ذراسی ریاست پر اتنے کیوں اڑے ہوئے ہیں اگر آپ بادشاہ کے مشیر و مددگار بن جائیں تو اس سے بیس گنی سلطنت کے خود مختار راجہ بن سکتے ہیں اور آپ کا اعزاز بہادر راجپوتوں میں وہی رہے گا جیسا حق ہے آپ کا اور آپ کے سرداروں کا اس میں کیا بگڑتا ہے۔ ہر طرح آپ کا پانسہ زبردست اور زور دار رہے گا قلعے کی کنجیاں خود بادشاہ کے حوالے کیجیے اور بادشاہ سے مل کر ایک اور ایک گیارہ کی قوت حاصل کیجیے۔ مجھے آپ کی بہتری ہر طرح منظور ہے اور اس میں میری کوئی غرض نہیں اس لئے اتنی بات صاف دل سے کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ

منظور کریں تو سیکڑوں بہادروں کا خون نہ ہو
یہ باتیں سرجن سنگھ کی سمجھ میں آگئیں اس کے
دل پر اکبر کی بہادری اور خلوص ومحبت کا ایسا
نقش ہوگیا کہ بن دام اس کا غلام بن گیا۔ فوراً
کنجیاں حوالے کرکے اطاعت قبول کی۔ لڑکو! تم
اکبر کی بہادری لڑائی میں دیکھ چکے اور دشمن سے
بے کھٹکے اور بے دھڑک دوبدو باتیں بھی سن چکے۔
اب ہم تمھیں تیسری قسم کی بہادری کا حال
سناتے ہیں۔

ایک دن بادشاہ کی سواری کا ہاتھی مست
ہوگیا اور زنجیریں توڑ کر شہر کی طرف بھاگا۔چاروں
طرف آفت برپا ہوگئی۔ کسی کی دوکان گر پڑی۔
کسی کا کوٹھا آرہا۔ کوئی پاؤں تلے کچل گیا۔ کسی کا
ایک دھکے میں کچومر نکل گیا۔ رعایا گھبرائی ہوئی
ہاتھی کو پکڑنے کے لئے دوڑی مگر وہ دیو کا دیو بھلا کس
کے قابو میں آنے والا تھا۔ ہوتے ہوتے یہ خبر محلوں
میں پہنچی بادشاہ سنتے ہی جس حالت میں تھا فوراً محل سے

اترا اور دوڑ کر شہر میں پہنچا۔ معلوم ہوا کہ ہاتھی ایک بازار میں غضب ڈھا رہا ہے۔ وہاں ایک کوٹھے پر جا کھڑا ہوا۔ ہاتھی جب لوگوں کے شور وغل سے بھاگتا ہوا اس کوٹھے کے نیچے سے گزرا تو کود کر فوراً اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور پلک مارنے کی دیر نہ ہوئی تھی کہ ہاتھی کا سارا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ کیسی شاہ سواری ہے۔ ایسے کرشموں ہی سے اکبر لوگوں کے جان و دل لوٹ لیتا تھا۔ ہاتھی کو دیکھیے کہ اپنے مالک کو بدمستی کی حالت میں بھی پہچان لیتا ہے۔ یہ سب اس کا اقبال تھا کہ آدمی تو کیا جانور بھی غلام ہو جاتے تھے۔

اکبر بڑا دانشمند مدبّر تھا۔ یہ کوئی لٹیرا تو تھا ہی نہیں کہ ڈاکے ڈال ڈال دولت سے اپنے وطن کو مالا مال کرتا۔ اس کا خیال تو ہندوستان پر سلطنت کرنے کا تھا۔ اور رعایا کو سچی اطاعت کا خوگر بنانا چاہتا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ کوئی غیر قوم کا آدمی دوسری قوم پر زبردستی کر کے بہت

عرصے تک حکومت قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے
حکومت کا استحکام صرف رعایا کی رضامندی اور
شرافت پر منحصر ہے۔ جب تک بادشاہ اور رعایا
دونوں ایک نہ ہو جائیں تو کشمکش کی وجہ سے کبھی
نہ کسی وقت ایک نے ایک کو زیر و زبر ہونا پڑے گا۔
اس وجہ سے اس نے اپنی ہندو اور مسلمان رعایا
دونوں کو یکساں خوش رکھنے کی کوشش کی اور ہر
کس و ناکس کو اس کے زمانے میں یہ معلوم ہوتا تھا
کہ بادشاہ میرے کنبے کا ایک بزرگ ہے جس کی
اطاعت اور عمل جوئی میرا فرض ہے۔ اگر ہندوؤں
کے زمانے کے بعد سے اب تک ہندوستان
ایک قوم کہلانے کا مستحق ٹھہرایا جا سکتا ہے تو
وہ صرف اکبر کے ہی زمانے میں۔ اسی باعث
سے دنیا بھر اس کو بادشاہوں کا سرتاج یعنی اکبر اعظم
کہتی ہے۔

سوالات

۱۔ ہیمو کو کیونکر شکست ہوئی؟

۲۔ اس شکست کا کیا اثر ہوا ؟
۳۔ رانا سرجن سنگھ کیسے قابو میں آیا ؟
۴۔ اکبر نے مست ہاتھی کو کیسے قابو میں کیا ؟
۵۔ ہندوستان کیسے ایک قوم بن سکتا ہے ؟
۶۔ اکبر کی سلطنت کی پائداری کا سب سے بڑا اصل کیا تھا۔
۷۔ اس کو اکبر اعظم کیوں کہتے ہیں ؟

۳۔ مہارانا پرتاپ سنگھ

راجپوتوں کی سلطنت کا چراغ بجھا ہی چاہتا تھا۔ اور اس کی لو نظروں سے غائب ہونے ہی کو تھی کہ خاندان کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا اور اودے سنگھ جیسے کمزور اور نکمے راجہ کے گھر میں رانا پرتاب سنگھ جیسا بیٹا پیدا ہوا۔ جس نے جوان

ہوکر وہ تلواریں چمکائیں کہ جن کی روشنی نے سلطنت مغلیہ کی آنکھوں میں چکا چوندھ پیدا کردی اکبر نے اپنی سلطنت کے کچھ ایسے ڈھنگ ڈالے تھے جس سے راجپوت اور مسلمان دونوں میں کچھ فرق نہ رہا تھا اور اگر کچھ روز اور زندہ رہتا تو راجپوت اور مسلمان ایک قوم بن جاتے مگر رانا پرتاپ سنگہ نے اس مایا جال کے پھندوں کو کاٹ کر راجپوت قوم کو اکبر کی حکمت عملی سے آزاد کردیا۔یہی وہ راجپوت تھا جس نے مغلیہ خاندان کے ساتھ رشتے ناتے جوڑنے سے انکار کردیا۔ اور شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنا پسند کیا۔ جو کوششیں اس کے مغلوب کرنے کی ہوتی تھیں وہ سب صرف بیکار ہی نہ جاتی تھیں۔ بلکہ اس کی طبیعت پر اور جلا کر جاتی تھیں جنگلوں میں مارے مارے پھرنا، روٹی کے ٹکڑوں کو ترسنا پیاس کی تکلیفیں جھیلنا سبھی کچھ گوارا تھا۔مگر اودے پور کے نام پر کلنگ کا ٹیکہ لگانا ہرگز منظور نہ تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ رانا اپنی بی بی بچوں

کے ساتھ جنگلوں میں آوارہ پھرتا۔ پہاڑوں میں سر مارتا۔ کسی پوشیدہ مقام میں دم لینے کو ٹھہرا ہوا تھا۔ ہفتوں کے بعد چولھا گرم کرکے بی بی نے روٹی پکائی۔ یکایک بچہ جو بھوک سے بیتاب ہوکر سوگیا تھا۔ نیند سے چونک پڑا ماں نے چولھا چھوڑ کر بچے کو اٹھا لیا۔ کھانا کھلانا چاہتی تھی کہ ایک جنگلی کتا کل روٹیاں اپنے منھ میں دبا کر چلتا ہوا جب رانا وہاں پھرتا پھراتا آیا۔ تو بی بی کی زبانی یہ دردناک کہانی سُنی۔ تھا تو آخر اسی خاک کا پتلا۔ سوچنے لگا کیوں نہ اکبر کی اطاعت قبول کرلوں۔ ذرا سی عزت کے پیچھے کتوں کی سی موت مرنا بہتر ہے یا بادشاہ کی اطاعت قبول کرکے زندگی کو خوشی و خرمی سے بسر کرنے میں لطف ہے۔ اسی کشمکش میں پڑا ہوا تھا کہ یکایک کچھ طبیعت بدل گئی۔ ایک نوکر کو بلوایا اور اکبر کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ اب میرا حال

تباہ ہے اور میں آپ سے صلح کرنے کو تیار ہوں۔ یہ خط پہنچا تو کہاں، پرتھی راج کے ہاتھ میں۔ یہ راجپوت سردار اکبر کی ڈیوڑھی پر نوکر ہوگیا تھا۔ اس نے بادشاہ کے سامنے چار ناچار خط کو پڑھ تو دیا مگر سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ خط پڑھ کر بولا۔ حضور یہ خط تو مجھے جعلی معلوم ہوتا ہے۔ رانا پرتاب کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں رانا سے اس کی تصدیق کر لوں۔ چنانچہ اسی کے پشت پر چند الفاظ تحریر کرکے واپس کر دیا۔ رانا نے جب اس چھوٹے سے راجپوت سردار کی تحریر کو پڑھا تو اس کے دل میں از سر نو بہادری کا جوش پیدا ہوگیا۔ خط میں یہ لکھا تھا۔

"اے چشم و چراغ خاندان راجپوت! یہ تجھ کو کیا ہوگیا ہے۔ ذرا سی مصیبت سے تو اتنا گھبرا گیا کہ خاندان کی آن پر بٹہ لگانے کے لئے تیار ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے ملک کے بچے بچے کے دل میں

تیری کتنی عزت ہے۔ اور وہ تجھ پر کتنا فخر کرتے ہیں۔
اب تو خود اپنے ہاتھوں سے اپنی عزت گنوانے کے
لئے تیار ہے۔ افسوس! اب بھی سنبھل جا۔ ابھی کچھ نہیں
بگڑا۔ اتنے ہی لکھنے کو کافی سمجھ پھر چمکتے ہوئے سورج
کی طرح بادلوں سے نکل آیا اور اپنے پجاریوں کو اسی
چمک دمک سے درشن دے۔" آپ کا سیوک پرتھی راج۔
اس کو پڑھ کر رانا کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔
فوراً خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور قسم کھائی کہ یہ
تلوار جب تک تخت یا تختہ نہ لے گی میان میں نہ جائیگی
اور پھر دوبارہ اپنے قول کو دھرایا کہ جب تک میں چتوڑ
پر قابض نہ ہو جاؤں گا سونے چاندی کے برتنوں میں
کھانا نہ کھاؤں گا۔ چارپائی پر نہ سوؤں گا اور دہلی کی
سرزمین پر قدم نہ رکھوں گا۔ جب تک جیا اپنے
قول کو نباہتا رہا۔

یہ قسم پوری نہ ہونے پائی تھی کہ رانا کو موت نے آگھیرا۔
یہ شیر مرد بستر مرگ پر لیٹا ہوا موت کی راہ دیکھ رہا تھا اور
ہمراہی چاروں طرف مثل تصویر خاموش کھڑے تھے سب کی

نگاہیں آقا کی طرف لگی تھیں کہ راجپوتوں کے خاندان کا ٹمٹماتا ہوا چراغ اب گل ہوا چاہتا ہے۔ یکایک رانا کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ ایک سردار نے کلیجے پر پتھر رکھ کر رانا سے پوچھا کہ مجھے حیرت ہے کہ تجھ سا بہادر موت سے ڈر کر آنسو بہا رہا ہے۔ رانا نے کڑک کر جواب دیا کہ یہ آنسو نہیں ہیں۔ میرا خون جگر پانی پانی ہوتا ہے۔ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے بیٹے امر سنگھ سے بالکل امید نہیں کہ وہ میرے قول کو پورا کر سکیگا۔ اور راجپوتی شان و شوکت کو اسی طرح قائم رکھے گا۔ باپ دادوں کے نام پر بدنامی کا دھبہ نہ لگنے دیگا۔ اگر تم میں سے کوئی مجھے اس بات کا یقین دلادے کہ امر سنگھ کو طوق غلامی نہ پہننے دینگے تو میری روح کو آرام ملیگا۔ اور میں اس دھرنا پائدار سے نکل بانمر کی طرح خوش خوش رخصت ہو جاؤں۔ تمام سرداروں نے تلواریں نکال کر رانا کے سامنے قسم کھائی کہ جب تک جان میں جان ہے امر سنگھ کی آن بان پر جان و ایمان قربان کریں گے۔ یہ الفاظ سنتے ہی رانا نے پرلوک کی راہ لی۔

اس خاندان کے راجاؤں میں آجتک رانا کے قول کے مطابق یہ دستور چلا آتا ہے کہ سونے چاندی کے برتنوں کے نیچے پتل بچھا کر

کھانا کھاتے ہیں۔ چارپائی پر گھاس پھوس رکھ کر سوتے ہیں۔ داڑھی مونچھوں کو کبھی بل نہیں دیتے اور دہلی میں قدم رکھنے میں اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں۔

سوالات

۱۔ اکبر کی نیت کیا تھی؟ وہ تفرقے کو کس طرح مٹانا چاہتا تھا؟
۲۔ کس راجہ نے اس خیال کی مخالفت کی؟
۳۔ رانا اپنے قول پر کب تک قائم رہا؟
۴۔ کس واقعہ نے رانا کی طبیعت کو ڈانواں ڈول کر دیا؟
۵۔ پرتھی راج نے کیا چال چلی؟ خط پر کیا لکھ کر واپس کر دیا؟
۶۔ رانا نے کیا عہد کیا؟
۷۔ رانا کے دل میں کیا ارمان باقی تھا؟
۸۔ رانا کے مرنے کے وقت کا نظارہ بیان کرو۔
۹۔ اودے پور کے راجپوتوں میں اب تک کیا کیا رسمیں باقی ہیں؟
۱۰۔ مہارانا پرتاب کی زندگی سے کیا نصیحت ملتی ہے؟

۴۔ بیربل

کانپور کے ضلع میں عین دریائے جمنا کے کنارے ایک گاؤں اکبرپور بیربل کے نام سے موسوم

ہے۔ اس کو بیربل نے اپنے آقائے نامدار اکبر کے نام سے بسایا تھا۔ تاکہ جس طرح جیتے جی اکبر اور بیربل دو قالب اور ایک جان کی طرح مرنے کے بعد بھی اس گاؤں کے نام میں وہی یادگار باقی رہے۔ کہتے ہیں کہ اکبر گھر باہر، سیر و تفریح، صلح و جنگ میں ہر وقت بیربل کو اپنی جان کے ساتھ رکھتا تھا۔ یہ رتبہ کسی اور درباری یا صاحب کمال کو حاصل نہ تھا۔ یہ اپنے آپ کو برہم داس کہتا تھا۔ در اصل کالپی کے ایک غریب برہمن کا لڑکا تھا۔ مگر کبت کہنے کی وجہ سے اس کے دشمن اس کو بھاٹ کہا کرتے تھے۔

چاہے کیسی ہی فکر اور غم کی گھٹائیں بادشاہ اکبر کے دل پر چھائی ہوئی ہوں مگر بیربل کی ظرافت سے وہ سب دور ہو جاتی تھیں۔ پھر ایسا شخص ہر دل عزیز نہ ہو تو کون ہو۔ بادشاہ کی زبان سے جو کلمہ نکل جاتا تھا۔ بیربل اس کو پسند سمجھتا تھا اور جو حکم ہوتا اس کو پورا کر دکھاتا تھا۔ گویا بادشاہ کے کلام کو کلام خدا سمجھتا تھا۔

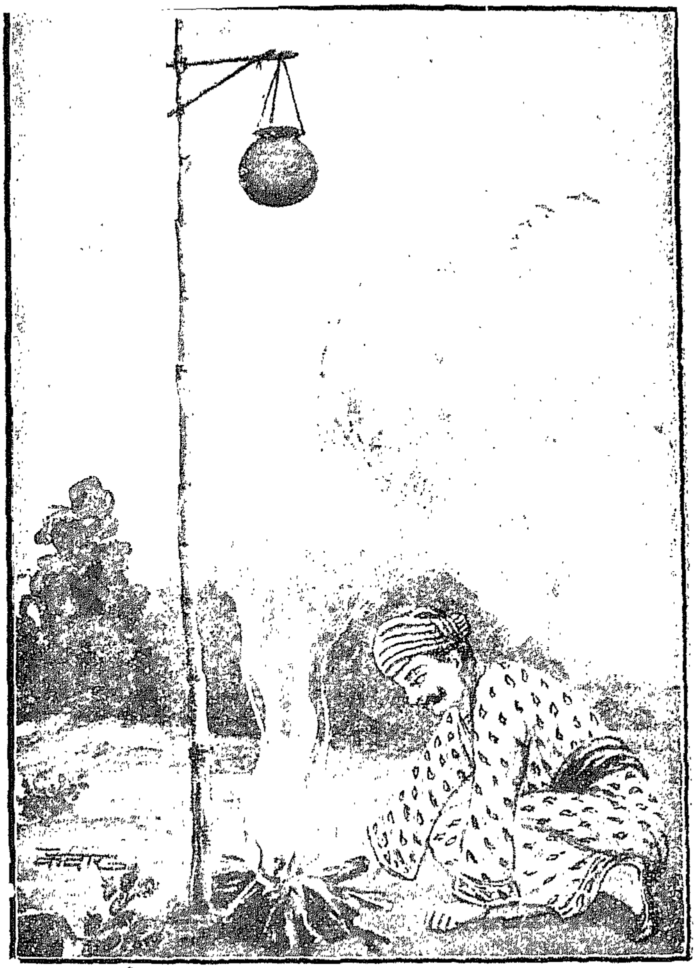
ایک روز سردی کے مارے تمام درباری ٹھٹھر رہے تھے - بادشاہ سلامت بھی سردی کی شدت کی شکایت کر رہے تھے - اتنے میں بیربل آموجود ہوئے - بادشاہ نے پوچھا کہ بیربل کیا کوئی ایسا بھی شخص ہے؟ جس کو آج سردی نہ لگتی ہو - بیربل نے جواب دیا - سیکڑوں بندگان خدا ایسے ہیں جن کے تن پر کپڑا نہیں ہے اور کڑاکے کے جاڑوں میں بھی اپنی کھال ہی میں مست رہتے ہیں - بادشاہ سلامت نے تعجب سے پوچھا کہ آجکل بھی کوئی رات بھر پانی کے اندر کھڑا رہ سکتا ہے؟ بیربل نے کہا دھوبی پہروں اپنی روزی کی فکر میں گلتے پانی میں دن بھر چھو اچھو کرتے رہتے ہیں - بادشاہ نے حکم دیا اگر کوئی ہو تو ہمیں لاکر دکھاؤ - بیربل کے لئے تو بادشاہ کا حکم خدائی فرمان سے کچھ کم نہ تھا - فوراً ایک آدمی کو تلاش کر لایا اور سر دربار حاضر کیا -

بادشاہ نے رات بھر سردی میں ننگے بدن پانی کے اندر کھڑا رہنے کے واسطے انعام مقرر کیا اور اُس

شخص کو اپنی شرط پوری کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ شخص جاڑے میں قلعے کے سامنے دریائے جمنا کے اندر رات بھر کھڑا رہا صبح جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ کو یقین نہ آیا۔ چنانچہ اُس کو انعام سے محروم رکھنے کے لئے بادشاہ نے کوئی بہانہ نہ ڈھونڈھنا چاہا اور اُس شخص سے یہ سوال کیا کہ تم رات بھر پانی کے اندر کیسے کھڑے رہے؟ اُس نے جواب دیا۔ جہاں پناہ میں رات بھر ٹکٹکی باندھے آپ کے قلعہ کے اندر محل کی روشنی کے سہارے کھڑا رہا۔ بادشاہ نے کہا او ہو۔ ہو۔ تو ہماری شمع کی گرمی سے رات بھر آنکھوں کو سینکا کیے تو بھلا پانی کی سردی تمھیں کہاں معلوم ہوتی جاؤ تم انعام کے قابل نہیں۔

بیربل بادشاہ کی سخاوت اور دریا دلی کے بھروسے پر اس غریب کو دربار میں کھینچ کر لائے تھے۔ مگر اب بے انتہا مایوسی ہوئی۔ بیربل نے چنانچہ چند روز کے لئے چھٹی لے لی۔ اور دربار میں آنا جانا بھی بند کر دیا۔

بیربل نے ایک سڑک پر ایک لمبا بانس زمین میں



बीरबल की खिचड़ी

گاڑ دیا اور اس کے سرے پر ایک ہانڈی میں کھچڑی
بھر کر اس کو ایک چھوٹی سی رسّی سے لٹکا دیا۔ زمین
پر ہانڈی سے دو بلّی نیچے تھوڑی سی آگ جلا دی۔ اور
دور سے کھڑے ہو کر کھچڑی کے پکنے کا انتظار کرنے
لگے۔ اتفاق سے بادشاہ کی سواری اسی روز ادھر
سے گزری۔ کئی دن سے بیربل کو نہ دیکھا تھا۔ سڑک پر
کھڑا دیکھتے ہی بادشاہ نے سواری ٹھہرا لی اور بیربل
سے پوچھنے لگے کہ تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ دربار
میں کیوں نہیں آئے؟ اس نے عرض کیا جہاں پناہ
بندہ کئی روز سے اس کھچڑی کے پکنے کا انتظار کر رہا
ہے۔ بہتیری آگ جلائی۔ مگر اب تک کھچڑی نہ پکی۔
اس لئے دربار میں حاضر نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے کہا ارے
بیوقوف کہیں زمین کی آگ سے آسمان کی کھچڑی پک
سکتی ہے۔ تیری عقل کہاں چرنے گئی ہے۔ تب
بیربل نے موقع پاکر جواب دیا کہ جب محل کے چراغ
کی گرمی سے کوئی شخص رات بھر آگ تاپ سکتا ہے۔
تو اس کھچڑی کا پکنا کیا مشکل ہے؟ بادشاہ نے

اس بات پر ہنس کر بیربل کو فوراً اپنی سواری پر بٹھا لیا اسی روز اس غریب آدمی کو دربار میں بلایا اور حسب وعدہ بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔
بیربل کا یہ ایک نہایت چھوٹا سا چٹکلا ہے۔ ایسی ہی باتوں سے تو وہ بڑے بڑے عالموں کو معقول کر دیتا تھا تھا چنانچہ ایک دفعہ درباریوں کی سازش سے کابل کی مہم کا قرعہ بیربل کے نام پر پڑا۔ اکبر کو دل پر پتھر رکھ کر اس کو مہم پر لڑنے کے لئے بھیجنا پڑا۔ وہاں بھی مدت تک سرحدی پٹھانوں کے مقابل یہ جوانمردی سے ڈٹا رہا۔ عقل و دانش کے ہتھکنڈوں سے دشمنوں کو تنگ کرتا رہا۔ لیکن زین خاں اور حکیم ابوالفتح کی نا اتفاقی نے غضب ڈھایا۔ معرکہ آرائی کی نوبت آئی۔ بہادری سے لڑتے لڑتے جان دی۔ سورماؤں میں نام کر گیا۔ بیربل کی موت کا حال سن کر اکبر کو نہایت رنج ہوا۔ کئی دن تک کھانا نہ کھایا اور دربار بھی نہ کیا۔

سوالات

۱۔ بیربل کا حسب نسب بیان کرو۔

۲- بیربل کو کن اوصاف کی وجہ سے بادشاہ کی مصاحبت حاصل ہوئی؟

۳- بیربل کا کوئی چٹکلا ایسا سناؤ جس سے اس نے بادشاہ کو معقول کیا ہو؟

۵ - راجہ ٹوڈرمل

کون سا کسان ایسا ہے جس کو اپنی زمین کا لگان نہ دینا پڑتا ہو۔ پرانے زمانے میں لگان مقرر کرنے کے لئے زمین اور کھیتوں کی پیمایش رسی سے ہوتی تھی۔ لیکن رسی اکثر گھٹ بڑھ جاتی تھی۔ اس لئے سرکاری نوکروں اور کسانوں میں ہمیشہ زمین کی پیمایش پر گھٹ بٹ رہتی تھی۔ کیونکہ ایک کسان پر کبھی تو زیادہ لگان لگ جاتا تھا اور کبھی کم۔ اکبر کے زمانے میں جب راجہ ٹوڈرمل حاکم مال ہوا تو اس نے

پہلے پہل بجائے رسی کے بانس کے ٹکڑوں اور لوہے کے چھلوں سے زمین کے ناپنے کا کام لیا۔ جس کی وجہ سے ناپ کا گھٹنا بڑھنا بند ہوگیا اور رعایا میں لگان کے متعلق سارے جھگڑے دور ہو گئے۔

ٹوڈرمل ایک غریب کھتری گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ بچپن ہی میں اس کا باپ مرگیا۔ اس لئے اس کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ لیکن یہ لڑکا بڑا تیز اور ذہین تھا۔ حساب میں اس کا جی خوب لگتا تھا۔ شیر شاہ کے یہاں پیٹ کے خاطر چھوٹی سی عمر میں نوکری کرنی پڑی۔ مظفر خاں افسر مال تھا۔ یہ بڑا مردم شناس تھا۔ چنانچہ ٹوڈرمل کی فہم و فراست کے مطابق اس کو متصدی مقرر کردیا۔ ترقی کرتے کرتے تھوڑے ہی عرصہ میں یہ بڑے عہدے پر پہنچ گیا۔ مگر پھر قسمت نے پلٹا کھایا۔ سوری خاندان کے ہاتھ سے سلطنت نکل کر دوبارہ ہمایوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اور اس کے بیٹے اکبر نے

تخت نشین ہوکر ہندوستان میں پھر امن قائم کیا
اس ردوبدل میں ان کی نوکری بھی جاتی رہی چونکہ
ان کو نوکری کا چسکا لگ چکا تھا۔ نئے دربار میں
حاضر ہوئے۔ اکبر بھی لیاقت کا جوہری تھا ان کو
ایک ادنیٰ منشی بنا دیا۔ ترقی کرتے کرتے یہ میر دفتر
ہوگئے قابلیت و لیاقت کی بدولت محکمہ مال کے اعلیٰ افسر
بن گئے اور بائیس صوبوں پر قلم چلانے لگے۔ بڑے
بڑے قانون بنائے۔ اکبر نے دیکھا کہ یہ نرے کھتری
ہی نہیں ان میں کشتریوں کے بھی جوہر چھپے ہیں
بجائے قلم کے ہاتھ میں تلوار دے دی۔ اس آزمائش
میں بھی پورے اترے۔ لڑائیوں میں وہ وہ جوہر او
کرتب دکھائے کہ اچھے اچھے سورما بھی ان کا لوہا
مان گئے۔ اب ہم تمہیں ان کی ایسی عقلمندی کی کہانی
سناتے ہیں۔

ایک فقیر اکبر کے دربار میں آیا اور اس نے
دونوں ہاتھ اٹھا کر۔ جہاں پناہ سے یہ سوال کیا۔ آپ
کے اتنے بڑے راج میں اس غریب کے لئے کہیں ایک بیگا

جگہ نہیں ہے کہ یہ ادنیٰ فقیر بھی خدا کی یاد کر سکے۔"
بادشاہ کو فقیر کے حال پر رحم آیا اور کہا کہ تم باقاعدہ
اپنی درخواست دو۔ فقیر نے ایک درخواست لکھوا کر بھیجدی۔
یہ درخواست ہر ایک محکمہ میں افسروں کی منظوری اور
دستخطوں کے بعد راجہ ٹوڈر مل تک جا پہنچی۔ اس کی
درخواست دیکھتے ہی ان کا ماتھا ٹھنکا اور سوچنے لگے
کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اس نے ایک بیگہ زمین
بادشاہ سے کیوں مانگی۔ یہ تو بادشاہ کے چھوٹے سے
چھوٹے افسر بھی فقیر کو بخش سکتے ہیں۔ سوچتے سوچتے
خیال ہوا کہ اکبر کی سلطنت میں علاقہ کشمیر بھی شامل
ہے اور وہاں زعفران کے کھیتوں کا ایک بیگہ ہزاروں
روپے لگان کا ہے۔ فقیر کی چال فوراً تاڑ گئے کہ یہ
فقیر نہیں ہے پورا مکّار دُنیادار ہے۔ اس کی نیت
زعفران کے کھیتوں پر ڈوبی ہے۔ اس کی عرضی پر
منظوری دیتے وقت یہ لفظ لکھ دیئے "خطۂ زعفران چھوڑ کر"
فقیر کو جب درخواست ملی تو اُس نے اپنا سر پیٹ لیا
اور عرضی وہیں پھینک کر چلا گیا۔ یہ قصہ جب بادشاہ

نے دربار میں سُنا تو بہت ہنسے اور ٹوڈرمل کو بڑے انعام و اکرام دئے۔

ایک مرتبہ بڑے بڑے مسلمان عہدے داروں نے مِل کر شکایت کی کہ آپ نے ایک ہندو کافر کو ہمارے سروں پر بٹھا دیا اور بادشاہی امیروں کو اس کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے یہ ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اکبر نے الگ الگ بُلا کر ہر ایک سے اس کے منشی کا نام پوچھا تو سب کے سب ہندو نکلے۔ اکبر نے ہنس کر کہا خوب۔ خود را فضیحت دیگراں را نصیحت۔ تم کو کوئی مسلمان محاسب اس لیاقت کا نہ ملا۔ جو ہندو منشی رکھ لیا پھر میں نے کیا گناہ کیا۔ اس میں تم سب سے زیادہ حساب کی قابلیت دیکھی اگر افسر مال کر دیا تو کیا بیجا کیا۔ سب اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے۔

راجہ ٹوڈرمل رات دن مسلمان افسروں میں اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ مگر مذہب کے ایسے پکے تھے کہ اپنی ریت رسم کو ایک دم کے لئے نہ چھوڑتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ

روز علی الصباح جب تک ٹھاکر جی کی پوجا کر کے اُن کو بھوگ نہ لگاتے خود کھانا نہ کھاتے۔

ایک دفعہ کسی لڑائی پر جانے کا اتفاق ہوا سفر دور و دراز کا تھا اس لئے ایک منزل سے دوسری منزل تک کوچ کرتا تھا۔ ٹوڈرمل ٹھاکر جی کا بستہ خیمہ میں بھول گئے۔ اور منزل بہ منزل لڑتے بھڑتے چلے گئے۔ کئی دن تک پچھلے ڈیرے خیمے کا پتہ تک نہ ملا۔ انھوں نے اتنے دن تک فاقے سہے اور جب تک ٹھاکر جی نہ آگئے اور اُن کی پوجا نہ کر لی کھانا نہ کھایا۔ آج کل کے پڑھے لکھے آدمی کسی اصول کے ایسے پابند نظر نہیں آتے۔ ان کو دیکھئے کہ لڑائی میں بھی اپنے مذہب کے پابند رہے۔

اس کو یاد رکھو۔ کہ ترقی کرنے میں مفلسی حائل نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اپنے ارادوں کے پکے اور دل کے مضبوط ہوتے ہیں وہ ہر زمانے میں اعلیٰ رتبوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ اپنے میں قابلیت پیدا کرو اور محنت کی عادت ڈالو تو تم بھی اعلیٰ سے اعلیٰ درجے حاصل

کر سکتے ہو اور نامور آدمیوں میں شمار ہو سکتے ہو۔

سوالات

۱۔ راجہ ٹوڈرمل نے زمین کے ناپنے کے لئے کیا ایجاد کی؟
۲۔ اس سے کیا فائدہ ہوا؟
۳۔ اکبر کے دربار میں ان کی کیا قدر ہوئی؟
۴۔ فقیر کے دھوکے سے بادشاہ کو کیونکر بچایا؟
۵۔ مسلمان افسروں نے کیا شکایت کی؟ اور ان کو بادشاہ سے کیا جواب ملا؟
۶۔ راجہ ٹوڈرمل مذہبی اصول پر کیسے قائم رہے؟
۷۔ ان کی زندگی سے کیا نصیحت حاصل ہوتی ہے؟

۳۱۔ ملکہ چاند بی بی

چاند بی بی احمدنگر کے سلطان کے گھر پیدا ہوئی۔ بیجاپور کے شہزادے علی عادل شاہ کو بیاہی گئی۔ یہ نہایت خوبصورت، تربیت یافتہ اور بہادر ملکہ ہو گزری ہے۔

یہ عربی فارسی اور ترکی زبانوں کے علاوہ مرہٹی اور کناری میں سپاہیوں سے گفتگو کر سکتی تھی۔ ستار اور بین بجانے میں تیز اور ہلکا ہاتھ چلتا تھا۔ تصویر کھینچنے اور بیل بوٹے بنانے میں کمال حاصل تھا۔ کچہری دربار۔ سیر شکار ہر وقت خاوند کے ساتھ رہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری میں شہسواروں کو مات کرتی تھی۔ باز اور شکروں سے صحرائی جانوروں کا شکار کرتی تھی۔ نیزہ چلانے اور تلوار مارنے میں ایسی ماہر تھی کہ بڑے بڑے بہادروں کے چھکے چھوڑا دیتی تھی۔ ایسی کامل اور ہر گن پوری ملکہ کو رعایا نے نادرۃ الزمانی کا خطاب دے دیا تھا۔

باوجود ان سب خوبیوں کے نہ تو علی عادل شاہ کی چاہ اور نہ رعایا کی دعا اس کے حق میں پھلتی نظر آئی۔ عمر بھر اولاد کا منہ تو دیکھنا نصیب ہی میں نہ تھا۔ پچیس برس کی عمر میں خاوند کا بھی انتقال ہو گیا۔ ابراہیم عادل شاہ اس کا بھتیجا ایک ننھا سا بچہ تھا۔ اسی کو گدی پر بٹھا کر آپ بیجاپور کا انتظام کرنے لگی جب

یہ جوان ہوا تو سلطنت اس کے حوالے کرکے خود گوشہ نشین ہوگئی۔

چاند بی بی کی شادی کے بعد احمد نگر کی حالت بھی نازک ہوگئی تھی۔ بادشاہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ میاں منجھو وزیر تھے۔ چاند بی بی کو بیجاپور سے بلالیا احمد نگر کی کل ریاست کا انتظام سونپ کر آپ روپوش ہوگئے۔ چاند بی بی نے اس فراخ دلی اور دانشمندی سے سلطنت کی کہ رعایا قربان ہوگئی۔

اس زمانہ میں ہندوستان کی سلطنت کی باگیں شہنشاہ اکبر کے ہاتھوں میں تھیں۔ دکن کا نقشہ دیکھ کر فتوحات کے ولولے بلند ہوتے رہتے تھے۔ مراد کو حکم دیا کہ دکن کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو فتح کرکے ملک میں ملالو۔ مراد نے احمد نگر پر فوج کشی کی۔ چاند بی بی کو خبر ملی۔ اس نے پہلے تو صلح اور سلامتی سے کام لینا چاہا۔ مگر مراد کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر لڑائی کی تیاریاں کرنے لگی۔ ملکہ رسد کا سامان جمع کرکے قلعہ بند ہوگئی۔ شاہ بیجاپور نے

مدد مانگی۔ مگر جب تک فوج آئے شہزادہ
مراد کی فوجیں قلعہ تک آگئیں دیواروں کی نیو
کھود کھود کر سرنگوں میں بھرنے لگی۔ مگر جب
سرنگ اڑانے کی کوشش کی تو بارود سیل گئی۔
فتیلے میں آگ نہ پہنچی۔ کیونکہ چاند بی بی دوسری
طرف سے ان سرنگوں میں پانی بھروا
دیتی تھی۔

ایک روز مراد کی فوج نے پانچ نئی سرنگیں
تیار کردیں۔ چار کو تو چاند بی بی کے سپاہیوں
نے بیکار کردیں مگر ایک میں اتفاق سے آگ
پہنچ گئی۔ پچاس گز قلعہ کی دیوار بھک سے
اڑ گئی۔ آس پاس کی فوج کو لے بیٹھی۔ دشمن
کی فوج ہلّا کر کے قلعہ کے اندر آنا چاہتی تھی
کہ چاند بی بی مع اپنی فوج کے موقعہ
پر جا پہنچی۔ شاہی لشکر سمندر کی طرح امنڈ
امنڈ کر آتا تھا۔ مگر احمدنگر کی تلواروں کی
دیواروں سے سر ٹپک کر لوٹ لوٹ جاتا تھا

دن بھر یہی حال رہا۔ ہزاروں جانباز سپاہی
دونوں طرف کام آئے۔ پشتے لگ گئے مگر مراد
کی فوج کو پسپا ہو کر الٹے قدم واپس جانا
پڑا۔ رات آگئی۔ ملکہ کے حکم سے دیوار بننی
شروع ہوئی۔ رات بھر مشعل لئے کھڑی رہی
دن نکلنے سے پیشتر دیوار بن کر تیار ہو گئی۔
آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ مراد کی آنکھ
کھلی تو ہاتھ ملتا رہ گیا۔ جیتی بازی ایک
چال میں مات ہو گئی۔

ملک میں قحط پھیل رہا تھا۔ مراد کی فوجیں
بھوکوں مرنے لگیں۔ سپاہی ملکہ کی بہادری پر
عش عش کرنے لگے۔ مراد کو آخر ناچار
صلح کرنی پڑی۔ شاہی فوجیں رخصت ہوئیں
اس بہادر نے اپنے ملک کی آزادی میں بال
بھر فرق نہ آنے دیا۔ تمام ہندوستان میں شہرت
ہو گئی۔

سوالات

۱۔ چاند بی بی نے کن اوصاف کے باعث خطاب حاصل کیا؟

۲۔ اس نے بیجاپور اور احمدنگر میں کیسی حکومت کی؟

۳۔ بیجاپور اور احمدنگر کی ریاستیں کہاں تھیں؟ نقشہ پر دکھاؤ؟

۴۔ اس کو احمدنگر کی سلطنت کیسے ملی؟

۵۔ چاند بی بی اور سلطانہ رضیہ بیگم کا مقابلہ کرو۔

۶۔ شہزادہ مراد کو کس طرح زک پہنچائی؟

۱۶۔ نورجہاں بیگم

نور جہاں کا دادا خواجہ محمد شریف ایران کے بادشاہ کا وزیر تھا۔ جب ہمایوں شیرشاہ سے شکست کھاکر مدد لینے کے لئے ایران گیا تو اسی وزیر کی سفارش سے روپیہ اور فوج سے مدد ملی تھی جس سے ہمایوں دوبارہ ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا۔ خواجہ کے مرنے

کے کچھ عرصہ بعد نورجہاں بیگم کا باپ مرزا غیاث بیگ دشمنوں سے تنگ آکر روٹیوں کا محتاج ہوگیا۔ وطن میں جب کہیں ٹھکانہ نہ رہا تو ناچار ہمایوں کی مصیبت کا زمانہ یاد آیا۔ باپ کے سلوک سے دھارس ہوئی۔ سوچنے لگا ممکن ہے کہ ہمایوں کے وارث اپنے بزرگوں کے مربی کی اولاد کی کچھ مدد کریں۔ اسی خیال سے ہندوستان کا رخ کیا۔

مرزا غیاث اپنا سفر کا سامان درست کرکے حاملہ بی بی کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ ابھی وطن نظروں سے اوجھل نہ ہوا تھا کہ ڈاکوؤں سے سابقہ پڑا جو رہا سہا باپ دادا کا مال تھا وہ بھی لٹ گیا۔ اس بے سروسامانی کی حالت میں قندھار کے قریب پہنچا ہی تھا کہ جنگل میں لڑکی پیدا ہوئی۔ رات قریب تھی اور منزل دور۔ بی بی کو تین دن فاقے میں گزرے تھے جننے کی کمزوری سے ایک خچر پر اسے سوار کیا دوسرے پر وہ خود بچی کو لیکر بیٹھا۔ بی بی اور بچی دونوں کو سنبھالنا مشکل معلوم ہوا۔ سوال یہ درپیش تھا کہ بی بی کی جان بچائی جائے

یا بچی کی بچی کا بغیر ماں کے پالنا غیر ممکن معلوم ہوا
اس لئے ماں پر اس ننھی سی جان کو قربان کرنا پڑا۔ کلیجے
پر پتھر رکھ ایک درخت کے نیچے پتوں سے ڈھک کر اس
سنسان بیابان میں بچی کو اکیلا چھوڑ دیا اور آپ دونوں
آگے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور گئے ہونگے کہ بی بی کو ہوش
ہوا بچی کی چیخیں کلیجے کو مسوسنے لگیں۔ مامتا کی ماری
ماں کو آخر کہنا پڑا کہ آؤ چل کر اس کو لے آئیں ورنہ جنگل
کے درندے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیں گے۔ بی بی کو اسی
جگہ ٹھہرا کر مرزا واپس دوڑے وہاں درخت کے پاس ایک
قافلہ پڑا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر الٹے پاؤں لوٹ گئے اور بی بی
کو تسکین دی کہ بچی محفوظ ہے تب وہ آگے کو روانہ
ہوگئے۔ قافلے کے سردار ملک مسعود نے بھی دور سے
ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تھی۔ وہ گھوڑا دوڑا کر
اس درخت کے نیچے پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک سانپ
پھن اٹھائے بیٹھا بچے کی حفاظت کر رہا ہے۔ گھوڑے
کے سموں کی آہٹ پاکر سانپ اپنے بل میں غائب ہوگیا
گویا وہ اپنی ذمہ داری کا کام ختم کرکے خدا کی امانت کو

نیے محافظ کے ذمے سونپ کر چلا گیا۔ ملک نے اس ننھی سی جان پر ترس کھایا۔ فوراً گھوڑے سے اُتر کر گود میں لے لیا اور اپنا انگوٹھا اس کے منہ میں دے کر چپکا کر دیا۔ اتنے میں سب سوار بھی آپہنچے۔ اب اس کو دودھ پلانے کی فکر ہوئی۔ راستے میں مرزا اور اُس کی بی بی ملے۔ ملک مسعود نے بڑی منت سماجت کی کہ اگر آپ کی بی بی ایک ننھی سی لڑکی کی پرورش کرلیں تو بڑی عنایت ہو اور جو کچھ ہوسکے گا میں آپ کی خدمت کرونگا۔ مرزا نے بی بی کی رضامندی سے یہ بخوشی منظور کرلیا۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ یہ لڑکی کیسی اقبال مند ہے کہ پیدا ہوتے ہی اپنا اور اپنے ماں باپ دونوں کا رزق ساتھ لائی ہے۔ امیر نے ان کو بڑی خاطر سے ہندوستان پہنچا دیا۔ اور اپنی سوداگری کا مال بیچ کر ان کے گزارے کے لئے کچھ سہارا بھی کر دیا۔ اُس نے رفتہ رفتہ اکبر کے دربار میں پیش کر کے مرزا کو ایک چھوٹا سا عہدہ دلوا دیا۔

اکبر کو جب مرزا کے خاندان کا حال معلوم ہوا کہ وہ اُسی وزیر کے لڑکے ہیں جنکی وجہ سے ہمایوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس پائی تھی تو وہ روز بروز اُن کا رتبہ بڑھانے لگا۔ مرزا بھی علم و لیاقت میں کچھ کم نہ تھے۔ ہر عہدے کے مطابق اپنے فرض کو پوری طرح انجام دے کر بادشاہ کو خوش کرتے چلے گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں محلوں میں رسوخ پیدا ہوگیا۔ مرزا کی بی بی بیگمات میں اُٹھنے بیٹھنے لگی۔ مرزا نے اپنی لڑکی کا نام مہرالنسا رکھا۔ جب یہ سیانی ہوئی تو ماں نے اس کو لکھنا پڑھنا اور گھر کا کام کاج سکھا کر خوب ہوشیار کر دیا۔ اس نے عقل و تمیز کے علاوہ حسن خداداد بھی پایا تھا۔

دستور کے مطابق ایک روز مینا بازار لگا۔ اُس میں امیر و اُمرا کی عورتیں شریک ہوکر بیگمات کا دل بہلاتی تھیں۔ سب دوکانوں میں قسم قسم کے سامان سجائے جاتے تھے۔ عورتیں سودا بیچتی تھیں اور پہرہ چوکی کا کل انتظام ان کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ بیگمات آتیں اور اپنی پسند سے چیزیں خریدتیں۔ کوڑیوں کا مال اشرفیوں میں خرید کر

رعایا کو نہال کرتیں۔ بیگمات نے بڑے چاؤ سے مرزا کی بی بی اور لڑکی مہرالنسا کو بھی بلوایا۔ چنانچہ وہ دونوں بھی آکر شریک ہوئیں۔

شہزادہ سلیم ابھی نو عمر لڑکا ہی تھا۔ کبوتر لئے کھیلتا کھیلتا وہ بھی اس بازار کی طرف آنکلا۔ ایک دوکان کے سامنے چھوٹے سے باغچہ میں مہرالنسا کھڑی تماشہ دیکھ رہی تھی۔ شہزاد سلیم کی نظر اسی باغ میں ایک پھول پر پڑی۔ ہاتھ میں کبوتر تھے مہرالنسا سے کہا۔ ذرا ہمارے کبوتر لے لو۔ ہم پھول توڑلیں۔ مہرالنسا نے دونوں ہاتھوں میں کبوتر لے لئے۔ اتفاق سے ایک کبوتر پھڑ پھڑاکر ہاتھ سے چھُٹ گیا۔ جب سلیم واپس آیا تو پوچھا۔ ہیں! میرا کبوتر کہاں گیا۔ مہرالنسا نے جواب دیا! وہ تو اُڑ گیا شہزادہ نے پوچھا کیونکر؟ اس نے دوسرے ہاتھ کا بھی کبوتر چھوڑ کر کہا کہ اس طرح اُڑ گیا۔ شہزادہ کے دل میں بجائے غصہ کے اس کے بھولے پن کی ادا اثر کر گئی وہ اس واقعہ کو عمر بھر نہ بھولا۔

مہرالنسا جب جوان ہوگئی تو مرزا کو اس کی شادی

کا خیال ستانے لگا۔ علی قلی خاں ایک شخص ایران کے نعمت خانے کا داروغہ تھا۔ بادشاد کے مرنے کے بعد وہ بھی مرزا کی طرح اٹکتا بھٹکتا ہندوستان میں آپہنچا اور اکبر کی لڑائیوں میں اپنی بہادری اور جانبازی دکھا کر اس نے ایک اچھا عہدہ حاصل کرلیا یہ بڑا لائق اور خوشرو نوجوان تھا۔ مرزا کو اس کی باتیں پسند آئیں اور اس نے اپنی لڑکی کی شادی اُسی سے کردی۔ اکبر نے اس کی لیاقت اور قابلیت دیکھ کر اس کو صوبہ دار بنا کر بنگالے بھیج دیا۔

پس جیسی مہرالنسا خوبصورت اور عقلمند تھی ویسا ہی اس کا خاوند بہادر اور شجاع تھا۔ دونوں کی جوڑی لاثانی تھی۔

ایک مرتبہ علی قلی خاں کو سلیم کے ساتھ فوج لے کر میواڑ کے محاصرے پر جانے کا اتفاق ہوا۔ راستے میں جنگل سے ایک شیر گرجتا ہوا آیا اور جھپٹ کر شاہی ہاتھی کی مستک سے چمٹ گیا۔ علی قلی خاں کو کہاں تاب تھی فوراً ہودے سے نیچے کودا۔ تلوار اور خنجر دونوں جلدی میں وہیں رہ گئے۔ مگر اس کو اپنی جان کی بالکل پروا نہ تھی۔ وہ شیر کو پکڑ کر ہاتھی کی مستک

سے نیچے گرنے لگا اتنے میں ہاتھی نے غضب میں آکر شیر کو اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا۔ علی قلی خاں کی یہ بے جگری اور بہادری دیکھ کر سب دنگ رہ گئے شاہزادے نے خوش ہوکر اُس روز سے اس کو شیر افگن کا خطاب عطا کیا اور بردوان کا صوبہ دار بنا کر پھر بنگال بھیج دیا۔

جہانگیر کے دربار میں بنگالہ سے ہر روز جھوٹی بغاوت کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ شیر افگن بھی اس تاک میں ہے کہ صوبہ دبا بیٹھے۔ جہانگیر تو پہلے ہی سے بدظن ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کو پورا یقین ہوگیا کہ شیر افگن کے بارے میں جو افواہ اُڑی ہے وہ ضرور سچ ہے۔ فوراً قطب الدین خاں کو راجہ مان سنگھ کی جگہ سپہ سالار مقرر کرکے شیر افگن کی سرکوبی کے لئے بنگال روانہ کیا۔ قطب الدین نے وہاں پہنچکر شیر افگن کو طلب کیا۔ اس بے گناہ کو کیا خبر تھی کہ میری طرف سے جہانگیر کے دل میں کیسی کیسی بدگمانیاں پیدا کردی ہیں؟ حکم پاتے ہی دو نوکروں کو لے کر حاضر ہوگیا۔ قطب الدین نے بے سوچے سمجھے اپنی فوج کو اُسے گرفتار کرنے کا اشارہ

کر دیا جب شیر افگن نے قطب الدین کی یہ دغا بازی دیکھی تو طیش میں آگیا اور غصے کو ضبط کر کے ہوش سے کام لینے کے بجائے شجاعت اور بہادری دکھانے کے لئے کمر سے خنجر نکال قطب الدین کے پیٹ میں اس طرح بھونک دیا کہ انتڑیاں نکل پڑیں یہ دیکھ کر ساری فوج نے شیر افگن کو پکڑ کر اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالی اور دونوں اپنی اپنی جان مفت میں کھو بیٹھے ناتجربہ کاری اور بیجا غصے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ دیکھو کیسے شجاع اور بہادر ذرا سی بے عنوانی سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

شیر افگن کی تمام دولت وجائداد مع مہرالنساء اور اس کی لڑکی کے دربار میں پیش کی گئی۔ جہانگیر کو قطب الدین کے مرنے کا بہت رنج ہوا۔ اس نے بلا تحقیق کئے شیر افگن ہی کو گنہگار ٹھہرایا اس کی جائداد ضبط کر لی۔ مہرالنسا اور اس کی لڑکی پر بہت دنوں تک سخت عتاب رہا۔ لیکن جب اتفاق سے ان دونوں شیر مردوں کی بہادری کا پورا ماجرا معلوم ہوا اور

شیر افگن بے قصور ثابت ہوا - تو جہانگیر کو اپنے کیے پر پچھتانا پڑا سوچنے لگا ان دونوں بیگناہوں کے خون ناحق کا اب کیا کفّارہ ہوسکتا ہے - جو کچھ سختیاں مہرالنسا اور اس کی لڑکی پر ہوئی ہیں اُن سب کے عوض میں اُسی قدر مہربانی لازم ہے - چنانچہ مہرالنسا کو اپنی والدہ کی خدمت پر مقرّر کردیا۔

ایک روز والدہ کے محل میں جہانگیر کی نظر مہرالنسا پر پڑگئی بدن میں بجلی دوڑگئی فوراً دل میں پُرانا مینا بازار کا قصّہ تازہ ہوگیا اور لڑکپن کی حیرت محبت کے ساتھ بدل گئی - چنانچہ رفتہ رفتہ شادی کے پیغام بھیجنے شروع کردئے - آخرکار مہرالنسا کو محل میں داخل کرکے نورمحل کا خطاب دیا۔

نور محل نے اپنے سلیقے اور شعور سے جہانگیر کو اس قدر فریفتہ کرلیا کہ نور محل سے نورجہاں ہوگئی - بادشاہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنی سلطنت نورجہاں کو ایک پیالہ شراب کی عوض میں دیدی ہے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نورجہاں میں انتظام سلطنت کا بھی پورا

پورا مادّہ موجود تھا۔

شادی ہوتے ہی تمام ملکی کاموں میں بھی نورجہاں کا عمل دخل ہوگیا۔ گو اس وقت نورجہاں کی عمر چھتیس برس کی تھی۔ مگر اس کے حسن و جمال میں ذرا سا بھی فرق نہ آیا تھا۔ گھوڑے پر ایسی سوار ہوتی تھی کہ بڑے بڑے شہسوار دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ شکار میں اس کا ہاتھ ایسا سدھا ہوا تھا کہ نشانہ کبھی خطا ہی نہ کرتا تھا۔ فارسی علم ادب میں یکتا۔ اور با مذاق شاعرہ تھی غرضکہ عورتوں میں جتنی خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ سب اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ جیسی جنگ کے میدان میں برق تھی ویسی ہی گھر کے سلیقے و انتظام میں بھی فرد تھی کہتے ہیں کہ نئی نئی وضع کے کپڑے کا سنے دودمی۔ پستولیا۔ کناری۔ فرش چاندنی اور مرصع زیورات اسی نے ایجاد کئے تھے۔

نورجہاں کے غسل خانے میں کئی حوض تھے اور ان میں

اکثر گلاب کے پھول پانی کو خوشبودار بنانے کے
لئے ڈالے جاتے تھے۔ اور یہ پانی روز روز بدلا
جاتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز کسی وجہ سے پانی بدلا
گیا۔ یہ جب غسل کے لئے پہنچی تو پانی کو بغور دیکھنے
لگی۔ اس پر تیل کے قطرے کہاں سے آ گئے۔ اس کو
گمان ہوا کہ یہ سوائے گلاب کے پھول کی پتیوں
کے اور کہاں سے آ سکتے ہیں۔ آخر کار وجہ دریافت
کر ہی لی اور گلاب کے پھولوں کا عرق و عطر ایجاد کیا۔
محل میں اب گلے سڑے پھولوں کے بجائے عطر گلاب
استعمال ہونے لگا۔

یہ وہی ننھی سی بچی ہے جس کو درخت کے نیچے
ماں باپ جنگل کے درندوں کے لئے پھینک آئے
تھے۔ آج ہندوستان کے تخت پر بادشاہ کے ساتھ
بیٹھ کر کل عالم پر حکومت کرتی ہے۔ یہ اتنی سرنیف
تھی کہ اپنے بچپن کے باتوں کو کبھی یاد سے نہ بھلاتی
تھی اور ملک کی یتیم لڑکیوں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی
تھی اور ان کی شادیاں اپنے جیب سے کرتی تھی

دیکھئے قسمت ذرّہ کو آفتاب اور قطرے کو دریا بنا دیتی ہے۔ مگر اتنی بڑائی پر بھی جو اپنے خالق کو نہ بھولے اُس کو شریف سمجھنا چاہئے۔

ظفر آدمی اُس کو نہ جانئیگا چاہے کتنا ہی ہو وہ فہیم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہے جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

سوالات

۱۔ نورجہاں کے باپ دادا کون تھے؟
۲۔ یہ ہندوستان میں کیوں کر آئی؟
۳۔ یہ محلوں میں کس طرح آنے جانے لگی؟
۴۔ جہانگیر کے ساتھ اِس کا کیا واقعہ پیش آیا؟
۵۔ شیر افگن کون تھا؟
۶۔ اس کو یہ خطاب کیسے ملا؟
۷۔ مہرالنسا دوبارہ محل میں کیوں داخل ہوئی؟
۸۔ جہانگیر کو نورجہاں سے اس قدر محبت کیوں ہوگئی؟
۹۔ اِس میں کیا کیا اوصاف تھے؟
۱۰۔ گلاب کا عطر کیوں کر ایجاد ہوا؟
۱۱۔ اِس کی زندگی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

۱۲- شاہ جہاں اور تاج محل

جہانگیر کے کئی لڑکے تھے ان میں سب سے بڑا
خسرو تھا۔ راجہ مان سنگھ اکبر کے بعد جہانگیر کے بجائے
خسرو کو تخت پر بیٹھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ جہانگیر شراب
بہت پیتا تھا پس باپ بیٹوں میں ان بن ہوگئی۔ اور
اس نے خسرو اور خرم دونوں کو دکن کی مہم پر بھیج دیا۔
خسرو تو وہیں کام آیا مگر خرم یعنی شاہ جہاں کے لئے
تخت کا راستہ صاف ہوگیا ادھر نورجہاں کی لڑکی جو
شیر افگن سے تھی۔ اُس کا بیاہ جہانگیر کے سب سے چھوٹے
لڑکے شہریار سے ہوگیا تھا۔ اس لئے نورجہاں چاہتی تھی
کہ جہانگیر کے بعد بجائے خرم کے شہریار ہی تخت نشین ہو
لیکن جہانگیر کے مرتے ہی آصف جاہ نے اپنی بہن نورجہاں
کو قید کرلیا اور خرم کے پاس یہ خبر پہنچانے کے لئے
انگوٹھی بھیج دی۔ وہ انگوٹھی دیکھتے ہی سارے جوڑ
توڑ سمجھ گیا اور اس نے فوراً آگرے پہنچ کر گدی

دھوم دھام سے تخت نشینی کا جشن منایا۔ نورجہاں کے سب قصور معاف کر دئے اور تین لاکھ روپیہ سالانہ پنشن مقرر کر دی۔ جب تک وہ زندہ رہی اس کو بڑی عزت و حرمت سے رکھا۔ شاہ جہاں کے نام پر صرف یہی دھبہ ہے کہ اس نے اپنے سب بھائیوں کو قتل کرا دیا تاکہ آئندہ تخت چھیننے کے لئے کوئی بغاوت نہ پیدا ہو۔

اس کی شادی نورجہاں کی بھتیجی ممتاز محل سے ہوئی تھی یہ نہایت خوبصورت تھی اور اپنے شوہر سے بہت محبت رکھتی تھی۔ اس نے بادشاہ سے یہ قول لے لیا تھا کہ میرے مرنے پر دوسری شادی نہ کرنا اور میری قبر پر ایسا مقبرہ بنوانا جو دنیا میں لاثانی ہو۔

چنانچہ شاہجہاں نے اپنی پیاری بیگم کے مرنے کے بعد اس کی یادگار میں آگرہ میں روضہ تاج گنج یا تاج محل تعمیر کرایا۔ یہ مقبرہ دریائے جمنا کے کنارے ایک بلند اور وسیع چبوترے پر سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ چبوترے کے چاروں کونوں پر چار خوبصورت مینار ہیں

مقبرے کا سفید گنبد نیلے آسمان میں عجیب بہار دیتا ہے۔ اور دور سے دیکھنے والوں میں نہایت دلفریب معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دیواروں میں نہایت ہی خوبصورت سنگ مرمر کی جالیاں کٹی ہوئی ہیں۔ بیچوں بیچ دو تعویذ ہیں ان تعویذوں کے نیچے سیڑھیوں سے اُتر کر تاج بی بی اور شاہجہاں کی قبریں دکھائی دیتی ہیں۔ دونوں قبروں پر چاندی سونے کا خوبصورت کام اور رنگ برنگ کے پتھروں کے بیل بوٹے ہیں۔ جس سے اس زمانہ کے کاریگروں کی حیرت انگیز صنعت کا تھوڑا سا اندازہ حاصل ہوتا ہے۔ کل عمارت نہایت ہی سڈول اور سبک ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرشتہ نے سنگ مرمر کے پہاڑ میں سے کاٹ کر اس کو ابھی اس چبوترے پر لا کر رکھ دیا ہے۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ تین سو سال سے اب تک کیسے کھڑی ہے۔ اس کو مدتوں کے بھونچالوں اور بارش کے طوفانوں سے کوئی نقصان اب تک نہ پہنچا۔ اس کے نیچے ایک پائیں باغ ہے۔ جس میں دو

مستطیل حوض ہیں ان کے بیچوں بیچ ایک بلند چبوترے پر ایک مربع حوض ہے۔ اس کے اردگرد بیٹھنے کے لئے کرسیاں بھی پڑی رہتی ہیں۔ حوضوں میں فواروں کی قطاریں اور رنگ برنگ کی مچھلیاں پانی میں عجب بہار دکھاتی ہیں ان حوضوں کے دونوں طرف سرو کی قطاریں اس نظارے کی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہیں۔ روضہ کے دروازہ پر خطِ طغرا میں قرآن شریف کی آیتیں اس طرح سے لکھی گئی ہیں کہ اوپر اور نیچے کے حروف دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس عمارت کو بنانے میں ہزاروں کاریگروں نے برسوں تک کام کیا ہے۔ اور اس پر لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہے۔ یہ عمارت دنیا کے عجائبات میں سے ہے ہزاروں آدمی دنیا کے دور دور ملکوں سے اس کو دیکھنے کے لئے ہر سال ہندوستان آتے ہیں۔

ہندوستان کے سب بادشاہوں میں جو شان و شوکت شاہجہاں کو نصیب تھی شاید ہی اور کسی کو ہوئی ہو تخت طاؤس جس پر یہ بیٹھتا تھا سارے دربار کو

جگمگا دیتا تھا۔ اس تخت کے چھت پر سامنے دو مور ناچتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اور ان کے پروں میں رنگ برنگے جواہرات چمکتے ہوئے بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے۔ یہ تین کروڑ روپئے کی لاگت کا تھا۔ دیوان عام دیوان خاص کی میناکاری اور سجاوٹ۔ موتی مسجد اور دہلی کے لال قلعہ کی عمارتیں دیکھنے کے لائق ہیں۔ یہ سب اسی کی بنوائی ہوئی ہیں۔ دور دور سے لوگ ان کو دیکھنے کے لئے ہندوستان میں آتے ہیں پس شاہ جہاں کو اگر انجنیروں کا بادشاہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

سر ٹامس رو اور ہاکنز شاہ انگلستان کی طرف سے سفیر ہوکر جہانگیر کے دربار میں آئے تھے۔ اور اسی کی اجازت سے انگریزوں کی کئی تجارتی کوٹھیاں بھی بندرگاہ سورت میں بن گئی تھیں۔ اسی طرح شاہجہاں کے زمانے میں

بھی باہر کے ملکوں سے سفیروں کے آنے جانے کا سلسلہ چلا جاتا تھا۔ اور اسی زمانے میں ایک نہایت لائق فائق انگریز ڈاکٹر باٹن بھی ہندوستان میں آئے ہوئے تھے۔ اور دربار میں آتے جاتے رہتے تھے

اتفاق سے محل میں ایک شہزادی بیمار ہوئی وید۔ حکیم۔ سیانے سب ہی نے اپنا اپنا علاج کیا مگر کسی کے علاج سے شفا نہ ہوئی۔ کسی نے ڈاکٹر باٹن کے علاج کی بھی تعریف کی۔ بادشاہ نے اس کو شہزادی کے علاج کے لئے بلوایا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ دو ایک شیشیاں پیتے ہی یہ بھلی چنگی ہو گئی اور بستر چھوڑ کر اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو بڑی خوشی ہوئی اور رعایا کی حیرت کی انتہا نہ رہی شاہجہاں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ

آپ کو اس کے صلہ میں کیا دوں۔ ڈاکٹر نے دل میں سوچا کہ بادشاہ خوش ہے اور لاکھ دو لاکھ کی رقم تو معمولی سی بات ہے۔ دولت آنے جانے والی چیز ہے۔ جتنا روپیہ ملے گا سب خرچ ہو جائے گا۔ مانگو تو کوئی ایسی چیز مانگو جس سے اپنے ملک و قوم کا بھلا ہو۔ اور دنیا میں نام رہے۔ واہ رے انگریز! کیسے اعلی درجے کے خیالات ہیں۔ ذاتی نفع کو قوم پر قربان کرنا تم سے سیکھے ڈاکٹر نے بہت سوچ کر جواب دیا کہ اگر حضور انگریزوں کو ہندوستان میں بلا روک ٹوک تجارت کرنے کی اجازت دیدیں۔ اور ان کی بکری کے مال پر محصول معاف کر دیں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ بادشاہ نے اس بات کو فوراً قبول کر لیا۔ دیکھنے میں تو یہ چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر حساب لگاؤ تو معلوم ہو گا کہ انگریزوں کو ان حقوق کے حاصل ہو جانے سے

ایک ہی سال میں کس قدر نفع ہوا ہوگا اور انھیں
حقوق کی بدولت ان کو اپنے قدم ہندوستان میں جما
لینے میں کتنی مدد ملی ہوگی۔ حب الوطنی کا سبق ڈاکٹر
باٹن ہی سے سیکھنا چاہئے۔

اکتیس برس سلطنت کرتے کرتے شاہجہاں کو بڑھاپے
نے آگھیرا اور بیمار ہوگیا۔ سب لڑکے نوجوان اور تخت
کے خواہشمند تھے۔ ایک دوسرے سے تخت نشینی کے
لئے لڑنے بھڑنے لگے۔ اورنگ زیب نے سب پر
فتح پائی اور آگرہ میں باپ کی آخری زیارت کے لئے پہنچا
مگر شاہ جہاں کو ابھی دنیا دیکھنی اور باقی تھی اور قسمت
میں اتنے عروج کے بعد زوال اپنی آنکھوں سے دیکھنا بدا
تھا۔ اورنگ زیب نے باپ کو صحیح وسلامت دیکھ کر خیال
کیا کہ اتنی خونریزی اور ایسی فتح کے بعد بھی باپ کو پھر سلطنت
کرنے دوں تو میری کی کرائی محنت خاک میں مل جائیگی اور
خبر نہیں آئندہ سلطنت ملے یا نہ ملے اس لئے اس نے باپ
کو فوراً قید کرلیا اور آپ تخت پر بیٹھ کر سلطنت کرنے لگا
لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلجگ کی نشانی ہے۔ مگر غور کرو تو

معلوم ہوگا کہ کلجگ نہیں کرجگ ہے کیونکہ جیسا شاہجہاں
نے اپنے بھائیوں کے ساتھ بیرحمی کا سلوک کیا تھا
ویسا ہی اپنے بیٹے کے ہاتھوں پھل پایا۔

لوگوں کو بادشاہ سے ملنے جلنے کی ممانعت تھی کہاں
تو شاہجہاں ایک خودمختار بادشاہ تھا۔ رات دن سلطنت
کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ کہاں اب قیدخانے
کی کنج تنہائی اور اس پر دن رات کی بے کاری۔ زندگی
دوبھر معلوم ہونے لگی۔ بیٹے کے پاس پیغام بھیجا
کہ بغیر کام کے جی نہیں لگتا اگر چند لڑکے ہی پڑھانے
کے لئے قید خانے میں بھیج دیا کرو تو گھڑی دو گھڑی
انھیں سے دل بہلا لیا کروں۔ اورنگ زیب نے
ان کی بات کا ذرا بھی خیال نہ کیا اور یہ جواب
میں کہلوا بھیجا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے مزاج
سے بڑھاپے میں بھی حکومت کی بو نہیں گئی۔ آخرکار
کچھ عرصہ بعد دستِ قضا نے اس کو قید سے آزاد کردیا
اور روضہ تاج گنج میں دفن ہوکر اس نے اپنی پیاری
بیگم کے پہلو میں جگہ پائی۔

سوالات

۱- شاہجہاں کو سلطنت کیونکر ملی ؟

۲- اس کا عہد کس بات کے لئے مشہور ہے ؟

۳- ڈاکٹر باٹن سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے ؟

۴- اِس نے شاہجہاں سے کیا فیس مانگی ؟

۵- شاہجہاں کا آخری زمانہ کیسے کٹا ؟

۶- شاہجہاں کی زندگی سے تمھیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے ؟

۱۸- اورنگ زیب اور اس کے زمانے کے مشہور آدمی

(۱) اورنگ زیب

شاہجہاں کے چار بیٹے تھے - سب سے بڑا داراشکوہ بڑا خوش مزاج اور نیک تھا - اس نے سنسکرت بھی پڑھی تھی - اِس لئے متعصب بالکل نہ تھا - دوسرے

لڑکے کا نام شجاع تھا۔ یہ بھی ذہین و عقلمند تھا مگر شراب بہت پیتا تھا۔ تیسرا لڑکا اورنگ زیب اپنے مذہب کا پکّا اور پرہیزگار تھا۔ یہ اپنے دل کا حال کسی کو نہ بتاتا تھا اور بہادری میں بھی سب سے زیادہ تھا۔ سب سے چھوٹا لڑکا مُراد منچلا اور دلیر تو ضرور تھا۔ مگر اور اوصاف میں اپنے بھائیوں کے برابر نہ تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ آگرہ کے قلعے کے جھروکوں سے شاہجہاں ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا تھا یہ چاروں شہزادے بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوکر تماشہ دیکھنے کے لئے میدان میں پہنچ گئے۔ اتنے میں سدھاکر اور صورت سندر دو ہاتھی لڑنے کے لئے چھوڑے گئے۔ گھنٹوں تک خوب کشتم کشتا ہوتی رہی۔ آخرکار صورت سندر مقابلے کی تاب نہ لاسکا۔ اور میدان سے بھاگ نکلا۔ سدھاکر نے جیتنے پر بڑے زور سے چنگھاڑ ماری اور سونڈ ہلاتا ہوا اپنی ہتھسار کو لوٹ پڑا۔ راستے میں چاروں شہزادے

کھڑے تھے - وہ اُن کو دیکھ کر بپھر گیا تینوں شہزادے تو ڈر کر بھاگ گئے مگر اورنگ زیب اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا۔ ہاتھی نے اورنگ زیب کے گھوڑے کو زمین پر پٹک دیا۔ گھوڑے کو گرتا ہوا دیکھ کر اورنگ زیب جھٹ اُس کی پیٹھ پر سے کود کر الگ جا کھڑا ہوا اور میان سے تلوار نکال کر ہاتھی کی سونڈ پر وار کیا اتنے میں پیچھے سے اور بہت سے لوگ مدد کو دوڑ پڑے اور آتش بازی سے ہاتھی کو بھگا دیا۔ اس طرح اورنگ زیب کی جان بچ گئی شاہجہاں شہزادے کی بہادری اور مستقل مزاجی دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اورنگ زیب کو بُلا کر گلے سے لگایا اور ایک لاکھ روپیہ اس کے سر پر سے نثار کرکے غریبوں کو بانٹ دیا۔

جب شاہ جہاں بیمار ہوا تو تخت کے لئے چاروں بھائیوں میں جھگڑے ہونے لگے حق تو سب سے بڑے لڑکے دارا شکوہ ہی کا تھا۔ مگر مسلمان سردار اورنگ زیب کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ چاروں بھائی جوان اور سمجھ دار تھے۔ اور ہر ایک بادشاہ بننے کے لئے کوشش کر رہا تھا اُس وقت اورنگ زیب نے بڑی حکمت عملی سے کام لیا

اور تینوں بھائیوں کو کسی نہ کسی ترکیب سے قتل کر دیا۔ آپ تخت پر بیٹھنے کے لئے تیار ہی تھا کہ شاہجہاں کو صحت ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ اب منہ کا لقمہ اُگلنا پڑے گا۔ پس فوراً باپ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ یہ سب کام جو اس نے تخت حاصل کرنے کے لئے کئے نہایت خراب تھے۔ بھائیوں کا قتل اور باپ کی قید کا دھبّہ اس کے نام پر ہمیشہ رہے گا۔ جب اورنگ زیب بادشاہ ہو گیا۔ تو اس نے بڑی شجاعت اور دانشمندی سے سلطنت کی۔ مذہبی خیال سے تو اس کے تمام حکم و احکام ٹھیک ہوتے تھے مگر سلطنت کے لئے ان میں دور اندیشی نہ پائی جاتی تھی۔

ایک دفعہ مولوی صاحب جو اورنگ زیب کو بچپن میں تعلیم دیتے تھے۔ اس کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھ کر لائے۔ اور اُس کے

سامنے پیش کیا۔ مگر یہ شعر و شاعری، گانا بجانا اور ناچ رنگ مذہبی اصولوں کے خلاف سمجھتا تھا۔ استاد کو انعام و اکرام دینا تو درکنار ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ اور کہا "میری تعریف آپ نے عہدے اور انعام حاصل کرنے کے لئے کی ہوگی مگر مجھ سے اس بات کی ہرگز توقع نہ رکھو۔ گو میں آپ کا شاگرد ہوں اور آپ کی مدد میرا فرض ہے مگر میں اپنا فرض ادا نہیں کروں گا۔ کیونکہ آپ جب میرے استاد تھے تو آپ نے بھی اپنے فرائض ادا نہیں کئے۔ آپ کو معلوم تھا کہ میں شاہزادہ ہوں۔ کبھی بادشاہ ہوں گا۔ اس لئے مجھے بادشاہوں کے لائق تعلیم دیتے۔ انتظام سلطنت کا ڈھنگ۔ لڑائی کے اصول، ملک داری اور ملک گیری کے قواعد۔ غیر ملکوں کے رسم و رواج۔ قانون و اصلاح ملکی کے گر بتاتے سلطنتوں کے انقلاب اور تاریخ کی ہدایتوں



شاہ جہاں



جہانگیر



نور جہاں



ٹوڈرمل

سے واقف کرتے۔ بجائے اس کے
آپ نے پڑھایا تو کیا عربی فارسی کی
صرف و نحو زبان دانی۔ فلسفہ اور حکمت
نہ ان سے دنیا ہی کا فائدہ ہوا نہ دین
کا۔ اگر میں اپنے فرائض سمجھتا اور رعایا
کے حقوق پہچانتا تو سلطنت کا بھی بھلا
ہوتا۔ اور میری بھی عاقبت سدھرتی۔ آپ
کے قدموں کی خاک سر پر رکھتا۔ اور آپ کی
خدمت دل و جان سے کرتا۔ نہ آپ
نے اپنا حق استادی نباہا اور نہ میں
اب حق شاگردی ادا کروں گا۔ بیچارے
مولوی صاحب اپنا سا منھ لے کر اپنے گھر چلے گئے
اور پھر کبھی دربار میں نہ آئے۔

ایک دن کسی بڑے امیر نے اورنگ زیب سے عرض
کی کہ حضور سلطنت کے کار و بار اور یاد الٰہی میں
اس قدر محنت و وقت صرف کرتے ہیں کہ آرام
کے لئے وقت بہت کم ملتا ہے اور اس سے اندیشہ ہے

رہیں صحت میں فرق نہ آئے - اورنگ زیب نے
اس کی طرف سے تو منہ پھیرلیا اور درباریوں سے کہنے
لگا ایسی عیش و آرام کی صلاحیں تو ہماری بیگمیں
بھی دے سکتی ہیں - بادشاہی خاندان میں مجھے خدا
نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ رعایا کے آرام کا خیال
کروں۔خواہ مجھے تکلیف بھی اٹھانی پڑے اور ضرورت
کے وقت رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے
تلوار پکڑکر میدان میں لڑنے جاؤں مگر وہاں بھی جان
بچانے کے لئے فرائض دینی کو کبھی نہ بھول جاؤں -
اس امیر سے کہدو کہ ہم سے تعریف اور انعام چاہتا ہو
تو جو کام اس کے سپرد ہے اُس کو ٹھیک محنت اور
شوق سے انجام دے - اور ایسی خوشامدانہ باتوں سے
ناراض نہ کرے۔

اورنگ زیب اپنے دینی فرائض نماز و روزہ کا اس قدر
پابند تھا کہ چاہے کیسی ہی مشکل کیوں نہ ہو پر کیا مجال
کہ اس کے نماز کے وقت میں فرق آئے ایک دفعہ
شہزادگی کے زمانے میں بلخ کی مہم پر جانے کا

اتفاق ہوا عبدالعزیز خاں شاہ بلخ سے لڑائی ہو رہی تھی دونوں طرف کی فوجیں بڑے زور شور سے ایک دوسرے پر حملہ کر رہی تھیں کہ اتنے میں ظہر کا وقت آگیا تیروں کی بارش ہو رہی تھی مگر اس نے مطلق پروا نہ کی گھوڑے سے زمین پر اُترا۔ سجادہ بچھایا اور بڑے استقلال سے نماز پڑھنے لگا۔ عبدالعزیز نے جب اس کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔ لڑائی بند کر دی اور کہلوا بھیجا کہ ایسے دیندار مسلمان سے لڑنا مذہب کے خلاف ہے۔ اِنہی اوصاف کے باعث رعایا اس کو ولی سمجھتی تھی۔

سوالات

۱۔ اورنگ زیب میں کون کون سی خوبیاں تھیں؟

۲۔ اس کی بہادری کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

۳۔ اس نے اپنے اُستاد کو قصیدہ سنانے پر کیوں انعام نہ دیا؟

۴۔ اس نے شاہ جہاں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیوں؟

۵۔ ثابت کرو کہ یہ مذہب کا بہت پابند تھا اور سلطنت کے کاموں میں بہت محنت کرتا تھا۔

۲۔ شہزادی زیب النسا بیگم

زیب النسا اورنگ زیب کی سب سے بڑی لڑکی تھی۔ اس لئے مزاج میں سادگی اور دنیا کے دھندوں سے پیدائشی نفرت موجود تھی۔ شاہجہاں کی پوتی تھی۔ اس لئے سلیقہ۔ شعور۔ نفاست اور نزاکت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب لکھنے پڑھنے کے قابل ہوئی تو بادشاہ نے حافظہ مریم کو تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید حفظ یاد کرلیا۔ بادشاہ کو سنایا۔ عالمگیر نے خوش ہو کر تیس ہزار اشرفیاں انعام دیں۔

اس کے بعد ملا سعید اشرف عربی و فارسی پڑھانے لگے۔ بڑی لیاقت اور قابلیت پیدا ہوگئی۔ فارسی میں شعر کہنے لگی۔ ملا اشرف بھی شاعر تھے۔ اشعار کی اصلاح کرتے رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ شاعری کرنے لگی۔ مخفی تخلص تھا۔ فارسی کا دیوان ابھی

تک موجود ہے۔ علمی تحقیقات میں اس قدر سرگرم ہو گئی کہ اس نے عمر بھر شادی ہی نہ کی۔ تحقیق اور تدقیق سے مزاج میں صوفیانہ رنگ آ گیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی امیر نے چین سے نہایت بیش قیمت آئینہ بطور تحفہ کے اورنگ زیب کے پاس بھیجا۔ بادشاہ نے بڑی محنت سے زیب النسا کی نذر کیا۔ یہ اس آئینہ کو بڑی حفاظت سے رکھتی تھی۔ ایک دن کہیں باہر جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ آئینہ کی ضرورت پڑی۔ ایک خواص کو حکم دیا کہ شیشہ لے آؤ۔ وہ دوڑی دوڑی اندر گئی۔ سامنے چینی آئینہ نظر پڑا۔ جلدی کے مارے وہی آئینہ اٹھا کر لانے لگی۔ راستے میں ٹھوکر کھا کر ایسی گری کہ آئینہ چور چور ہو گیا۔ روتی چلاتی زیب النسا کے پاس آئی۔ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگی۔ دو زانو ہو گئی۔ زیب النسا نے کہا ذرا بات تو بتاؤ۔ آخر کیا ہوا؟ وہ سسکیاں لیتی لیتی بولی "از قضا آن آئینہ چینی شکست۔" زیب النسا کھل کھلا

کر ہنس پڑی اور کہنے لگی "خوب شد اسباب خود بینی شکست" خواص کے جی میں جی آیا۔ دم بخود چپکی کھڑی تھی۔ زیب النسا نے نہایت محبت سے تشفی کی اور بغیر بناؤ سنگار کئے اپنے کام پر چلی گئی خواص کی زبانی جس کسی نے اس واقعہ کے بارے میں سنا دنگ ہوگیا کہ اتنے بیش قیمت آئینہ کے ٹوٹنے کا ذرا سا بھی ملال نہ ہوا پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔ ایسی درویشانہ باتوں سے زیب النسا کی شہرت ہوگئی۔

عالمگیر اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا۔ جب کہیں باہر سے آتی۔ تو شہزادوں کو استقبال کے لئے بھیجتا تھا۔ زیب النسا کو بھی اپنے ماں باپ اور بھائیوں سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ اس کا بھائی اعظم شاہ بیمار ہوا۔ زیب النسا اس

نوٹ ۱۔ صفحہ ۲۱۹ خواص کے شعر کے معنی یہ ہیں۔ اتفاق سے وہ چینی آئینہ گر کر ٹوٹ گیا۔
۲۔ زیب النسا کے جوابی شعر کے معنی۔ بہت اچھا کیا۔ بناؤ سنگار کرنے اور اترانے کا سامان نہ رہا۔

کی تیمار داری کرنے لگی۔ تن بدن کے ہوش حواس
نہ رہے۔ بڑی دوا داروکے بعد اچھا ہوا۔ کمزوری
میں بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔ حکیموں نے پرہیزی
کھانا تجویز کیا۔ شہزادہ بیماری سے اُٹھا تھا چٹ پٹی
چیزوں پر من چلتا تھا۔ جو چیز کسی کو کھاتے دیکھتا
تھا وہی مانگنے لگتا تھا۔ زیب النسا نے یہ دیکھ کر
اپنے لئے کھانا ہی منگوانا چھوڑ دیا۔ اور اسی کی پرہیزی
غذا میں مدت تک آپ بھی شامل ہو جاتی تھی۔ جب
تک شہزادہ اچھا نہ ہوگیا اور معمولی غذا نہ ملنے لگی یہ بھی
اپنا من مار کر وہی کھانا کھاتی رہی۔ اسے سچی محبت
کہتے ہیں۔

زیب النسا کو علم و ہنر کا اتنا شوق تھا کہ اس کی
ڈیوڑھی پر ہر فن کے علما کا مجمع رہتا تھا۔ یہ سب
کو لکھنے پڑھنے کے کاموں میں لگائے رہتی تھی۔
بادشاہ نے اس کے علمی شوق کو پورا کرنے کے
لئے ایک بے نظیر کتب خانہ بنوادیا۔ تصنیف و تالیف کا ایک محکمہ
قائم ہوگیا۔ ملک الشعرا کا خاص عہدہ جو شروع سلطنت سے

چلا آتا تھا۔ اورنگ زیب نے موقوف کردیا تھا۔ زیب النسا
کی بدولت وہ دوبارہ قائم ہوگیا۔ غریب شاعر جو بے خانماں
ہوکر مارے مارے پھرتے تھے رزق سے لگ گئے۔ تہوار تقریب
کے موقعوں پر قصیدے کہہ کر لاتے تھے انعام و اکرام پاتے
تھے۔ شعر و شاعری کا اتنا چرچا بڑھ گیا کہ عرضی پرزہ عدالتی
کاغذات نظم میں پیش ہونے لگے۔ عالمگیر کی خشک مزاجی
سے علم ادب کو جو نقصان پہنچا تھا زیب النسا نے اسکی
تلافی کردی۔

سوالات

۱۔ زیب النسا میں کیا کیا خوبیاں تھیں؟

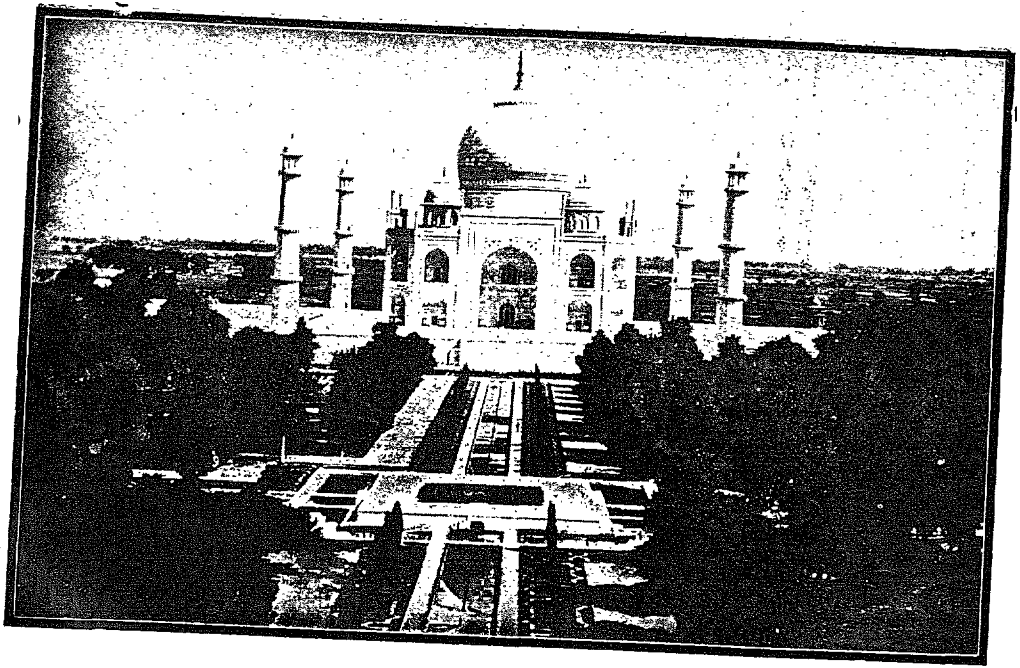
۲۔ اس کی تعلیم کیسے ہوئی؟

۳۔ "دنیا سے پیدائشی نفرت تھی" اس کو ایک کہانی سے ثابت کرو۔

۴۔ عالمگیر نے اس کی خاطر کیا کیا کام کئے؟

۵۔ زیب النسا نے بھائی کی کیسے تیمار داری کی؟ تم کو کیا سبق حاصل ہوا؟

۶۔ اورنگ زیب کے عہد کی کس کمی کو زیب النسا نے پورا کرادیا ہے۔ کس طرح؟



ताजमहल

تاج محل

(۳) چھترپتی مہاراج شیواجی

جب سلطنت مغلیہ کا ستارہ عروج پر تھا۔ ملکی فتوحات سے روز بروز سلطنت کی وسعت بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اُس وقت کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ اتنی بڑی بادشاہت کا نام و نشان کسی دن ہندوستان کے صفحے سے مٹ جائیگا۔ اُس وقت ایک مرہٹہ خاندان میں شیواجی سلطنت مغلیہ کا دشمن پیدا ہوگیا۔ جس نے سلطنت مغلیہ کو ایسا دھکا لگایا کہ اخیر کو مغلوں کا نام ہی ہندوستان سے مٹ گیا۔

شیواجی کی والدہ جی جی بائی ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی تھی۔ جس میں ہندوؤں کی مذہبی خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ شروع ہی سے اس نے اپنے پیارے بچے کے کانوں میں رامائن۔ مہابھارت اور بھگوت کی کہانیاں بھرنی شروع کردیں۔ جب شیواجی کچھ سیانا ہوا تو اس کی تعلیم کا انتظام کونڈدیو کے سپرد کردیا گیا۔ انھوں نے شیواجی کو لکھنا پڑھنا

سکھانے کے علاوہ فن سپہ گری میں کامل کر دیا۔ والدہ اور گرو کی تعلیم کے اثر نے شیواجی کو بہادر اور بے باک بنا دیا کسی سے دبنا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔ ایسا دلیر تھا کہ محلے کے شریر سے شریر لڑکے اس سے ڈرتے تھے۔

اتفاق سے شیواجی نے کونکن کے ایک چھوٹے سے پہاڑی علاقے کے باشندوں کے ساتھ جو نہایت ہی بہادر اور پرلے سرے کے چست و چالاک تھے میل جول پیدا کرنا شروع کر دیا۔ اس کی تیز طراری اور بہادری نے بھی ان کے دلوں میں اتنا گھر کر لیا کہ رفتہ رفتہ ان کا ایک جتھا بن گیا اور وہ اس جتھے کا سردار ہو گیا اب تو اس نے لوٹ مار شروع کر دی یہاں تک کہ اس کے نام سے دور دور کے علاقوں کے لوگ تھرانے لگے۔

شیواجی کے دل میں اب یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے لئے کوئی نئی سلطنت پیدا کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس نے چھوٹے چھوٹے پہاڑی قلعوں کو فتح کر کے اپنا اقتدار



महाराज शिवाजी

مہاراج شیوا جی

بڑھانا شروع کیا۔ قسمت نے بھی ساتھ دیا۔ کسی قلعے میں خزانہ کہیں سامان جنگ اور کہیں مال خوب ہاتھ لگا۔ جس سے اس نے ایک پوری فوج تیار کرلی۔ اب کیا تھا۔ بڑے بڑے میدان مارنے شروع کر دئے آس پاس کی ریاستیں کانپنے لگیں یہاں تک سیواجی کے یہ حوصلے دیکھ کر شاہ بیجاپور کے بھی کان کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ایک دن دربار کیا دور دور سے سرداروں کو بلایا۔ افضل خاں بھی آیا۔ یہ بڑا مغرور اور قوی ہیکل سردار تھا دربار میں قدم رکھتے ہی اس نے ڈینگ مارنی شروع کر دی۔ کہنے لگا: "حضور نے اتنی تکلیف ناحق کی۔ خاکسار کو حکم ہوتا تو ابھی سیواجی کا سارا گھمنڈ خاک میں ملا دیتا اور گرفتار کرکے اس کو حضور کی خدمت میں حاضر کردیتا" سب سردار تو اس بلا سے بچنا چاہتے ہی تھے انھوں نے یہ مہم اسی کے سر منڈھ دی۔ شاہ بیجاپور نے اس کو ایک بڑی فوج کا سپہ سالار بنا کر لڑنے کے لئے بھیج دیا۔

جب سیواجی نے افضل خاں کا دعویٰ سنا تو

بہت ہنسا۔ اس نے بڑی عاجزی سے یہ کہلوا بھیجا کہ
"حضور خاکسار کو تخلیہ میں طلب کریں تو کچھ عذر و معذرت
کرے۔ اگر قبول ہو تو جو سزا چاہیں تجویز کریں" یہ
الفاظ سنتے ہی افضل خاں کی باچھیں کھل گئیں سمجھا
کہ سیواجی پر رعب غالب آگیا۔ قاصد سے کہلوا بھیجا
کہ میں خود آتا ہوں۔ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں فوراً
اٹھ کھڑا ہوا۔ احتیاطاً ایک تلوار ہاتھ میں لے لی
اور سیواجی سے ملاقات کرنے کے لئے اکیلا ہی تیار ہو گیا۔
اپنے دل ہی دل میں پھولا نہ سماتا تھا اور سوچتا جاتا تھا
کہ آنے تو دو۔ اب بھاگ کر کہاں جائیگا فوراً گرفتار
کرکے دربار میں حاضر نہ کروں تو نام نہیں۔

ادھر سیواجی نے بدن پر زرہ بکتر لگا۔ کمر میں
خنجر اور ہاتھ میں شیر پنجہ چھپا اوپر سے معمولی لباس
پہن لیا۔ سہمی ہوئی صورت بنا ڈرتا کانپتا افضل خاں
کے سامنے جا حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی پاؤں پر گر پڑا اور
معافی مانگنے لگا۔ افضل خاں نے موقع غنیمت سمجھا۔
بغل گیر ہونے کے بہانے سے زمین سے اٹھایا



शिवाजी और अफ़ज़ल ख़ाँ شیواجی اور افضل خاں

اور گرفتار کرنے لگا۔ سیواجی اُس کا ارادہ سمجھ گیا۔ جیسے ہی اُس نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں سیواجی کو زور سے دبایا اس نے شیر پنجہ سے فوراً اس کی انتڑیاں نکال لیں۔ افضل خاں نے تلوار کا وار کیا۔ مگر سیواجی پر اثر نہ ہوا۔ اور اس نے اپنی کمر سے خنجر نکال کر افضل خاں کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ یہ خبر سنتے ہی شیواجی کا لشکر افضل خاں کی سپاہ پر ٹوٹ پڑا۔ دشمن کی فوج کے قدم میدان سے اُکھڑ گئے اور سیواجی فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا اپنے قلعہ میں واپس چلا گیا۔ بیجاپور کے دربار نے ڈر کے مارے پنج ہزاری کا درجہ عطا کر دیا اور یونہی دوستی کر کے پیچھا چھڑایا۔ رفتہ رفتہ شیواجی مغلیہ سلطنت کی آنکھوں میں بھی کھٹکنے لگا۔ چنانچہ کئی مرتبہ اس کی دست درازیوں کو روکنے کے لئے بادشاہی فوج بھیجی گئی مگر وہ ہمیشہ ناکامیاب رہی کیونکہ یہ کبھی مقابلہ پر میدان میں نہ آتا تھا دھوکے سے فوج پر حملے کر کے اس کو کمزور کر دیتا تھا۔

کچھ عرصے کے بعد جب شیوا جی کے باپ شاہ جی نے پرلوک کی راہ لی تو اس نے اپنا کام اور بھی آزادی سے کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد سلطنت مرہٹہ کی بنیاد ڈالی۔ اور ملک میں اس نے اپنے نام کا سکہ جاری کر دیا۔ اس زمانے میں دہلی کے تخت پر اورنگ زیب حکمراں تھا۔ اس کو سیوا جی کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ فوراً ایک لشکر جرار جے سنگھ اور دلیر خاں کے ہمرکاب روانہ کیا۔ عرصے تک انھوں نے سیوا جی کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ان کے فریب میں کب آنے والا تھا۔ آخرکار جے سنگھ نے ایک چال چلی۔ اس نے شیوا جی کو ہر طرح سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ تم جیسے بہادروں کے ساتھ مردم شناس بادشاہ اورنگ زیب بڑی خاطر سے پیش آوے گا تمھارے منصب و مراتب دوگنے چوگنے کر دے گا۔ خطوط دکھائے۔ پیغام سنائے۔ غرضیکہ سیوا جی کو یقین دلادیا کہ دوستی پیدا کرنے میں دربار مغلیہ سے ضرور اچھا سلوک ہوگا۔ اس لئے سیوا جی اورنگ زیب کے ساتھ صلح کرنے پر

راضی ہوگیا - یہی نہیں بلکہ اُس کو بادشاہ کی فراخدلی کا اتنا یقین ہوگیا کہ مغلیہ فوجوں کے ساتھ خود اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اورنگ زیب کے دربار میں بے کھٹکے جا پہنچا - مگر جب اُس نے بجائے شاہانہ عفو و مروت کے اورنگ زیب کے تیور بدلے ہوئے دیکھے اور اپنی توہین کا خیال کیا تو پہلے تو بہت بگڑا - مگر کرتا تو کیا کرتا مجبور تھا - آخر اورنگ زیب کے پنجے سے رہائی پانے کی ترکیبیں سوچنے لگا آخرکار بیماری کا بہانہ کرنا شروع کیا - رفتہ رفتہ برہمنوں سے جنم پتری کے گرہ دکھلائے - دان پُن کئے اور جگ کرنے کی اجازت لی آخرکار برہم بھوج کے بہانے سے فائدہ اُٹھایا اور ایک دن تمالی مٹھائی کے ٹوکروں میں باپ بیٹے دونوں بیٹھ کر اورنگ زیب کی قید کے پنجے سے ایسے اُڑ گئے کہ خبر بھی نہ ہوئی - رائے گڑھ پہنچ کر یہ عہد کیا کہ اورنگ زیب کے دانت کھٹے کر کے سلطنت مغلیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دونگا -

شیواجی دو سال تک برابر فوجی انتظام میں مشغول رہا - اس کے بعد چاروں طرف مار دھاڑ کر کے علاقوں پر

قابض ہونے لگا۔ سینتالیسؔ برس کی عمر میں چھترپتی
مہاراجہ شیواجی کا لقب اختیار کیا۔ سونے اور چاندی میں تلادان
ہوا۔ جشن تاجپوشی بڑے تزک و احتشام سے انجام پایا۔ اس
کے عہد میں سلطنت مغلیہ کو ایک بڑا صدمہ پہنچا جس سے
اس میں روز بروز زوال آنا شروع ہوگیا۔ آخرکار اسی
شان سے سلطنت کرتے کرتے موت کا دن قریب آگیا۔ گھٹنے
کے درد میں مبتلا ہوکر اس دنیائے فانی سے گزر گیا۔ اس نے
اپنی زندگی ہی میں مرہٹہ سلطنت کی ایسی مستحکم بنیاد ڈالی
جس کی وجہ سے سلطنت مغلیہ نہایت کمزور ہوگئی۔

سوالات

۱۔ سیواجی کا حسب نسب بیان کرو۔
۲۔ اس کی تعلیم کیونکر ہوئی؟
۳۔ سیواجی نے سلطنت کی بنیاد کیونکر ڈالی؟
۴۔ اورنگ زیب کے چنگل سے اس کو کیونکر نجات ملی؟
۵۔ سیواجی نے اتنی بڑی سلطنت مغلیہ کو کس طرح برباد کردیا؟

(۴) گرو گووند سنگھ

بادشاہوں کی اکثر یہ تمنا ہوتی ہے کاش ہماری ساری رعایا ہم رائے اور ہم مذہب ہوجائے تو ہمارا بہت بڑا کنبہ سا بن جائے اور انتظام سلطنت میں بہت آسانی ہو اور پختگی آجائے۔ ٹھیک اکبر اورنگ زیب کا بھی یہی خیال تھا اور دونوں نے اپنے اپنے طریقے پر ہندو رعایا کو اپنے میں ملانے کی کوشش کی لیکن یہ خواہش کسی کی کبھی پوری نہیں ہوتی اور اکثر بجائے امن وامان کے شورش اور بغاوت پھیل جاتی ہے چنانچہ اورنگ زیب کے عہد میں سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر نے ان لوگوں کو اپنے جتھے میں جگہ دی جو غیر مذہب قبول نہ کرنا چاہتے تھے۔ اور ایک دن گرنتھ صاحب پڑھنے کے بعد بھری سبھا میں اُن سے کہا کہ ایسی آفت اُس وقت تک دور نہیں ہوتی جب تک کہ قوم و مذہب پر جان نثار کرنے والے ہی نہ پیدا ہوں پس جب تک کوئی بھگت اپنی جان دھرم پر قربان نہ کرے۔ یہ بلا ہرگز نہ ٹلے گی۔

یہ سن کر ساری سبھا خاموش ہوگئی لیکن گوبند سنگھ جس کی عمر ابھی نو برس کی تھی اپنے والد کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ کہنے لگا کہ اے پتا آپ کے سوا کون ان بیکسوں کی خبر لیگا آپ ہی مہربانی کرکے ان کی تکلیفیں دور کرنے کے لئے اپنی جان دھرم پر قربان کیجیے۔ ایک معصوم بچے کی زبان سے ان الفاظ کو سنکر ساری مجلس میں سناٹا چھا گیا۔

گرو تیغ بہادر کے دل میں بچے کی بات چبھ گئی اور وہ اپنے جتھے کو مضبوط اور طاقتور بنانے میں مصروف ہوگئے۔ اورنگ زیب کو جب سارا حال معلوم ہوا تو اس نے انھیں دہلی طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے؟ گرو تیغ بہادر نے بادشاہ کے سامنے بے دھڑک ہوکر اس طرح جواب دیا "ہندوؤں اور مسلمانوں کا خدا ایک ہی ہے۔ مذہب کے تبدیل کرنے سے کسی شخص کو خدا کی خاص قربت حاصل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ہر ایک انسان اپنے کئے کا پھل پاتا ہے" بادشاہ اس جواب کو سن کر ناخوش ہوا اور گرو جی کا دل دکھانے کے لیے

اُس نے اُن کے بھائی کو فوراً مروا ڈالا کہ شاید ڈر جائیں مگر جب اُن کو اپنے دھرم پر ثابت قدم پایا تو آخرکار قید کر دیا۔ قید خانے میں بھی گرو تیغ بہادر اپنی پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے۔ اور اُن کو سختیاں معلوم بھی نہ ہوتی تھیں۔

مسلمان چاہتے تھے کہ سکھوں کا جتھا ٹوٹ جائے اس لئے اُنھوں نے بادشاہ سے شکایت کی اور اس پر الزام لگا کر قتل کروانا چاہا کہ یہ صبح اُٹھ کر محل کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اورنگ زیب نے اُن کو بلا کر سبب دریافت کیا۔ گرو تیغ بہادر نے جواب دیا کہ واقعی میں جنوب کی طرف سے مغلوں کے دشمنوں کو جہازوں پر آتے ہوئے دیکھتا رہتا ہوں جو مغلوں کا راج چھین کر ہندوستان کے بادشاہ بن جاویں گے۔ پھر کیا تھا اورنگ زیب آگ بگولا ہوگیا اُس نے فوراً ان کے قتل کا حکم دیا۔ گرو تیغ بہادر کی جان تو تو گئی مگر اُن کی پیشینگوئی آخرکار سچی ثابت ہوگئی اس قسم کے کاموں سے سلطنت کو بجائے نفع کے نقصان زیادہ ہے چنانچہ خالصہ پنتھ اپنے گرو کی قربانی سے ایک منزل اور اونچا

ہوگیا۔ اور بجائے صابر، کل بھگتوں کے جتھا مسلح سپاہیوں کا غول بن گیا۔

لڑکے کے دل میں باپ کے دھرم پر جان دینے سے بجائے رنج و غم کے بہادری کی لہریں جوش مارنے لگیں۔ گدی پر بیٹھ کر یہ گرو گووند سنگھ کے نام سے مشہور ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے فن سپہ گری اور آلات جنگ کے استعمال میں کافی مہارت حاصل کر لی۔ اور زمانے کی رفتار کو دیکھ کر انھوں نے سکھ دھرم کے اصولوں میں وہ تبدیلیاں کیں جس سے سکھوں کی ایک فوج بن گئی ہر شخص کو لڑنے بھڑنے اور دھرم کی خاطر قربان کرنے کی نصیحت کرنے لگے۔

ایک روز گرو گووند سنگھ نے اپنے فرقے کی بہادری اور جاں نثاری کا امتحان کرنا چاہا اور دربار میں گرنتھ صاحب ختم کرنے کے بعد لوگوں سے کہا آج خالصہ پنتھ کے نوجوانوں کی آزمائش ہوگی۔ جو لوگ اپنے گرو کی تلوار کے سامنے سر جھکانے پر آمادہ ہوں وہ میدان میں آئیں تاکہ اُن کے خون سے خالصہ پودے کی پرورش کی جائے

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد لاہور کا ایک کھتری دیا رام گرو کے ہاتھ سے قتل ہونے کے لئے سامنے آیا۔ اور گرو صاحب نے اس کو خیمہ کے پیچھے لے جاکر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ خون کی دھار خیمے کے باہر بہنے لگی جس سے سب لوگ سمجھے کہ دیا رام نے جان قربان کر دی۔ چار آدمی اسی طرح گرو کے سامنے جان دینے کے لئے آموجود ہوئے۔ گرو نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ اور خیمے میں اکیلا لے جاکر ایک ایک کو چھوڑ دیا۔ گرو اپنے پر ہر مرتبہ پہلے سے بڑھ کر آدمیوں کو جان دینے کے لئے آمادہ پایا۔ جب ان کو یقین ہو گیا کہ تمام سکھ دھرم کے لئے جان دینے پر تلے ہیں تو وہ پانچوں بہادروں کو خوب عمدہ لباس پہنا کر خیمے سے نکال کر دربار صاحب میں لے آئے اور تمام خالصہ سرداروں کی تعریف کی اور واہ گروجی کا خالصہ۔ واہ گروجی کی فتح کے نعروں سے تمام مجلس گونج اٹھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالصہ فوج اس زمانہ میں کس قسم کی ہوگی اور کس طرح بے خوف ہو کر میدان جنگ میں دشمنوں سے لڑنے کے لئے تیار ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی عمل میں بھی آیا کہ ہر قربانی پر

خالصہ پنتھ بڑھتا ہی گیا اور رفتہ رفتہ اس نے یہاں تک زور پکڑا کہ پنجاب کا سارا ملک مغل بادشاہوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور سکھوں کی سلطنت میں آگیا۔

سوالات

۱۔ بادشاہ کس قسم کی رعایا پسند کرتے ہیں؟

۲۔ اس خیال میں بادشاہوں کو ہمیشہ ناکامیابی کیوں ہوتی رہی ہے؟

۳۔ گرو تیغ بہادر سے کیا سلوک ہوا؟

۴۔ گرو تیغ بہادر نے کیا پیشین گوئی کی؟

۵۔ ان کے مرنے سے کس کو زیادہ نقصان پہنچا اور کیوں؟

۶۔ خالصہ سادھو فقیروں سے کیسے بہادر سپاہی بن گئے؟

۷۔ گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کا کیونکر امتحان لیا؟

۸۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا؟



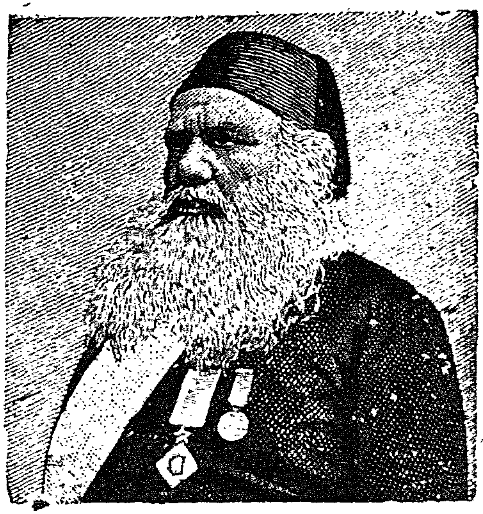
مہاراجہ رنجیت سنگھہ



بادشاہ اورنگ زیب



راجہ رام موہن راے



سر سید احمد خاں

۱۹۔ شیرِ پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ

کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا نام سنتے ہی افغانوں کے بچے پیچھے چھپ ہو جاتے تھے۔ ان کی تصویر دیکھنے سے اب بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ معلوم نہیں جب یہ زندہ ہوں گے اس وقت ان کے دیکھنے والوں پر کیا اثر ہوتا ہوگا ؟

ایک دفعہ مہاراجہ کا ایک ایلچی لارڈ ولیم بینٹنک کے پاس شملے میں ایک پیغام پہنچانے کے لئے گیا ہوا تھا۔ ایک انگریز نے اس سے پوچھا کہ تمھارے مہاراجہ صاحب کی کون سی آنکھ کانی ہے ایلچی نے جواب دیا کہ میری تمام عمر مہاراجہ صاحب کی ملازمت میں کٹی ہے مگر آج تک یہ خیال

نہیں ہوئی کہ آنکھ اُٹھا کر ایک نظر ان کے چہرے کی طرف دیکھ سکوں ان کے چہرے سے اس قدر جاہ وجلال ٹپکتا ہے کہ دوست کیا دشمن کی بھی آنکھ سامنے نہیں ہوتی۔ جب میں نے ان کی صورت ہی نہیں دیکھی تو آپ کے سوال کا جواب کیسے دے سکتا ہوں۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراجہ کی شکل وشباہت سے کیسا رعب اور دبدبہ ٹپکتا ہوگا۔ ان کے قصے کہانیوں سے اب بھی سننے والوں کا جی کانپ اٹھتا ہے۔ اور اسی لئے لوگ انھیں شیر پنجاب کہتے ہیں۔

اگر ان کی تصویر کو غور سے دیکھو تو چہرہ چیچک کے سیاہ داغوں سے گدا ہوا۔ ہونٹ پتلے پتلے۔ ناک آگے سے پھولی ہوئی۔ بائیں آنکھ ندارد۔ دائیں بھینگی اور پچمچائی۔ بھاری سر اپنے بوجھ سے کندھوں میں دھنسا جاتا ہے۔ موٹی بھدی گردن لمبی داڑھی میں دکھائی ہی نہیں دیتی۔ ایک ہاتھ اور پاؤں فالج کا مارا ہوا۔ اس پر بھی چہرے پر اتنا رعب ہے کہ دل تھرا اٹھتا ہے

جب یہ اپنی مشہور گھوڑی لیلی پر سیاہ ڈھال تلوار لگاکر بیٹھتے تھے تو ایک دیو چھلاوے کی پیٹھ پر سوار معلوم ہوتا تھا۔ گھوڑی ایسی قابو میں تھی کہ کتنی ہی تیز دوڑتی ہو فوراً رک جاتی تھی۔ ندی نالے صاف پھاند جاتی۔ ذرا سا اشارہ پاکر ہوا سے باتیں کرنے لگتی۔ یہ مہاراجہ کے ہاتھ بڑی مشکل سے آئی تھی۔

پہلے یہ یار محمد خاں حاکم پیشاور کے پاس تھی۔ سارے افغانستان میں اس کی خوبصورتی کی دھوم تھی۔ جب مہاراجہ کے کان میں بھی اس کی بھنک پڑی تو یہ گھوڑی کے لئے دیوانہ ہوگیا۔ فوراً آدمیوں کو گھوڑی خریدکر لانے کے لئے حکم دیا۔ مگر یار محمد خاں کب اُسے جدا کرنا چاہتے تھے۔ آخر ایک بڑی فوج گھوڑی کو زبردستی چھین لانے کے لئے روانہ کی گئی اور وہ آٹھ مہینے تک پیشاور میں پڑی رہی۔ اور ناکام واپس آئی کیوں کہ امیر گھوڑی کو لیکر پہاڑوں میں جا چھپا تھا۔ جب فوج واپس آگئی تو امیر بھی اپنے ملک میں واپس آکر سلطنت کرنے لگا۔ مہاراجہ نے دوسری بار کہلا بھیجا کہ اگر تم گھوڑی کو میرے حوالے نہ کر دو گے

تو امن و امان سے پشاور میں سلطنت نہ کرنے پاؤ گے۔ دیکھو
کیسا زمانہ پلٹتا ہے۔ کہاں پشاور کے حاکم کا نام سنتے ہی
لاہور کے راجاؤں کے حواس باختہ ہوتے تھے اور آج
لاہور کا مہاراجہ پشاور کے بادشاہ سے اس طرح ہم کلام
ہو۔ امیر بھلا کب دھمکیوں میں آنے والا تھا۔ اس نے
کچھ پروا نہ کی۔ اس لئے مہاراجہ نے شمالی حصے کے
گاؤں پر حملہ کیا۔ امیر بھی اپنی فوج لیکر دشمنوں کو ملک
سے نکال دینے کے لئے آیا مگر ایک لڑائی میں مارا گیا۔
اور آخرکار اس کے والی وارثوں کو پیلی مہاراجہ رنجیت سنگھ
کی نذر کرنی پڑی۔

قدرت کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کو بادشاہ بنانا منظور
ہوتا ہے تو ایسے ہی سامان جمع ہوجاتے ہیں۔ مہاراجہ
معمولی حیثیت کے سرداروں سے ترقی کرتے کرتے
پنجاب کا بادشاہ بن گیا اور اس کی سلطنت ستلج سے درہ خیبر
تک پھیل گئی۔ کشمیر۔ پشاور۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں بنوں۔ کوہاٹ
سبھی اس کی حکومت کے تابع تھے۔ ایسے راجہ کے دربار کی
شان و شوکت بڑھانے کے لئے کوہ نور ہیرا بھی ہونا

چاہیئے ۔

مہاراجہ کا سب ٹھاٹ باٹ بڑھیا تو تھا ہی خوش قسمتی سے کوہ نور ہیرا بھی ان کو مل گیا۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ جو ہیرا کبھی پانڈوں کے سر پر جگمگاتا تھا۔ ہندو راجاؤں سے مسلمان بادشاہوں کے پاس پہنچکر شاہجہاں اورنگ زیب کے تاج کی زیب و زینت بن گیا۔ جس کو دہلی کی لوٹ اور غارت گری کے بعد نادرشاہ ہندوستان سے افغانستان لے گیا تھا احمدشاہ کے کبضے میں ہوتا ہوا شاہ شجاع کو میراث میں پہنچا وہ اب دیکھئے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زبردست اقبال سے پھر اسی ہندوستان یعنی اپنے پرانے وطن میں کیونکر واپس آتا ہے ۔ اور پھر سکھ راج کے مکٹ کو اسی آب و تاب سے کس طرح دوبارہ روشن کرتا ہے۔ یہ ہیرا نہایت خوبصورت ہے اور اس میں سے ایسی روشنی کی شعاعیں نکلتی ہیں کہ دور سے دیکھنے والوں کو چمکتا ہوا ایک ننھا سا سورج نظر آتا ہے۔ بھلا ایسے ہیرے کے لئے بادشاہ جو کچھ بھی کر ڈالیں کم ہے۔

شاہ شجاع کو دوست محمد نے کابل سے نکال دیا

تو اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لینی چاہی۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کی درخواست کا کچھ جواب نہ دیا مگر جب شاہ شجاع کی بیوی شاہ بیگم نے ایلچی کے ذریعہ یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم میرے خاوند کو پناہ دوگے اور اس کا راج واپس دلانے کی کوشش کروگے تو میں کوہ نور ہیرا تمھاری نذر کر دوں گی۔ رنجیت سنگھ نے ہیرے کی لالچ سے شاہ شجاع کو لاہور بلا لیا اور بہت عزت و حرمت سے رکھا۔

کچھ دن بعد انگریزوں کی مدد سے پشاور فتح کرکے اس نے ایک ایسا معاہدہ کیا جس سے اپنا راج ستلج سے درہ خیبر تک بڑھا لیا اور کابل میں شاہ شجاع کو تخت پر بیٹھا دیا۔ اس کے صلے میں شاہ بیگم نے اپنے وعدہ کے بموجب یہ بے نظیر ہیرا اس کی نذر کیا۔ مگر دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے اس کے بعد یہ ہیرا اس کے خاندان میں بھی نہ رہا پنجاب کی سلطنت کے ساتھ ہیرا بھی انگریزوں کے پاس پہنچ گیا اور پھر نئی تراش خراش سے بن ٹھن کر مہارانی وکٹوریہ کے تاج میں

نئی روشنی پھیلانے لگا۔

سوالات

۱۔ مہاراجہ کی تصویر کیسی ہے؟
۲۔ ان کے قاصد سے ایک انگریز نے کیا پوچھا؟
۳۔ اس کا جواب قاصد نے کیا دیا؟
۴۔ اس سے کیا بات ظاہر ہوتی ہے؟
۵۔ رنجیت سنگھ کے ڈیل ڈول کا حال بیان کرو۔
۶۔ لیلیٰ گھوڑی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟
۷۔ کوہ نور ہیرے کی تعریف بیان کرو۔

۲۰۔ مہارانی اہلیہ بائی

علاقہ مالوہ میں پتھاردی ایک گاؤں تھا۔ یہاں آنند راؤ شنڈے رہتا تھا۔ یہ معمولی کسان تھا۔ اس کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس لئے سادھو مہاتماؤں کی سیوا کا بڑا شوق تھا۔ کسی مہاتما نے صلاح دی کہ تم

شری جگدمبہ جی کا پوجن کیا کرو تمھاری کامنا پورن ہوگی۔
آنند راؤ نے پوجا پاٹ شروع کر دیا۔ ایک رات اس کی عورت نے یہ سپنا دیکھا کہ شری جگدمبہ جی ایک ننھی سی لڑکی کو گود میں دے رہے ہیں۔ اور یہ کہتی ہیں کہ تیری لڑکی کسی دن رانی ہوگی۔ گاؤں والوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اور شری جگدمبہ جی میں اعتقاد ہو گیا۔

اس واقعہ کے سال بھر بعد سچ مچ انند راؤ کے گھر لڑکی پیدا ہوئی۔ اہلیہ بائی نام رکھا۔ ماں باپ نے بڑے چاؤ سے پالنا شروع کیا۔ گاؤں والے بھی بڑا لاڈ پیار کرتے تھے۔ یہ بڑی خوبصورت۔ تندرست اور نیک لڑکی تھی۔ اب شادی کے لائق ہوگئی تھی۔ اور سارا گاؤں اس کے لئے ایک اچھے سے بر کی تلاش میں تھا۔

یہ گاؤں مرہٹوں کے راج میں تھا۔ یہاں کے راجہ کا نام ملہار راؤ تھا۔ یہ بڑا زبردست راجہ تھا۔ گجرات سے لے کر پنجاب تک چوتھ وصول کرتا تھا۔ دہلی کے

ایک مغل بادشاہ کو تخت سے اُتار کر دوسرے بادشاہ کو بٹھانا اسی کا کام تھا۔ یہ اکثر شمالی ہند پر حملے کرتا رہتا تھا۔

ایک دفعہ کسی مہم سے واپس آرہا تھا۔ اتفاق سے پتھاردی کے قریب فوج نے پڑاؤ کیا۔ ملہار راؤ بھی گاؤں کے ایک مندر میں ٹھہر گیا۔ یہ مندر آنندراؤ کے مکان کے سامنے تھا۔ ملہار راؤ صبح ہوا کھانے کو جایا کرتا تھا۔ سورج نکلنے سے پہلے یہ گاؤں کی سیر کے لئے باہر نکلا۔ اتفاق سے اہلیہ بائی پر نظر پڑی۔ یہ اپنے گھر بار کے کام پر مشغول تھی ملہار راؤ کھیت کے پاس ٹھہر گیا۔ بہت دیر تک اس لڑکی کا تماشا دیکھتا رہا۔ اہلیہ بائی کی صورت شکل۔ چال ڈھال اور سلیقہ شعور اتنا بھایا کہ راج کمار کھانڈے راؤ سے بیاہنے کے لئے تیار ہو گیا۔ مندر میں واپس آنند راؤ کو بلوایا۔ بڑی عزت کیا۔ منگنی کی رسم ادا کی۔ تھوڑے دنوں بعد اہلیہ بائی کی شادی کھانڈے راؤ سے ہو گئی۔

اہلیہ بائی بڑی ہونہار لڑکی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں محلوں میں رہنے سہنے کے طریقے سیکھ لئے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی ہو گئے۔ کھانڈے راؤ کو اکثر لڑائیوں میں جانا پڑتا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں ریاست کا کام اسی کے ہاتھوں چلتا تھا۔

ملہار راؤ بڑھاپے میں بڑا بدمزاج ہو گیا تھا۔ بات بات پر خفا ہونے لگتا تھا۔ سارے نوکر چاکر تنگ تھے۔ اہلیہ بائی بڑی مزاج داں عورت تھی۔ اس کے غصہ کو ٹھنڈا کرنا بڑا مشکل تھا۔ مگر اہلیہ بائی اپنی سیوا اور ٹہل سے سب کچھ ٹھیک کر لیتی تھی۔ کنبہ میں رہنا۔ سب کو خوش رکھنا۔ ساس سسر کی قدر کرنا۔ رشتہ داروں کا خیال رکھنا ہندوستان کی عورتوں سے بڑھ کر دنیا بھر میں کہیں نہیں پایا جاتا۔

کھانڈے راؤ ایک دفعہ جاٹوں کی بغاوت دبانے کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اہلیہ بائی بیوہ ہو گئی۔ بوڑھے خسر

اور لڑکے لڑکی کی خاطر ستی نہ ہوئی۔ ملہار راؤ نے سوگ میں جان دیدی۔ ایک مہینے بعد اس کا لڑکا مالی راؤ بھی پرلوک سدھارا۔ بیٹی کا بیاہ ہو ہی چکا تھا۔ یہ اپنے گھربار کی ہوگئی تھی۔ اس سے اہلیہ بائی اکیلی رہ گئی۔ ساری رعایا اور امیر امراء کے کہنے سننے سے آندور کی سلطنت کا کام خود کرنے لگی۔

اہلیہ بائی علی الصباح اٹھتی تھی۔ سورج نکلنے سے پہلے پوجا پاٹ اشنان دھیان سے فارغ ہو کر گھر کے کاموں میں لگ جاتی تھی۔ روز گیتا کا پاٹ کرتی تھی۔ غریب محتاجوں کو بھوجن کھلا کر آپ کھاتی دوپہر کو آرام کرکے دربار کرتی۔ مقدمے سنتی۔ فیصلے دیتی۔ انتظام سلطنت کے کام کرتی۔ صنعت و حرفت کاشتکاری اور تجارت کے فروغ دینے کی تدبیریں سوچتی رہتی تھی۔ شام کو سندھیا کرکے کھانا کھاتی تھی۔ اور گیارہ بجے رات تک امیروں وزیروں کے ساتھ بیٹھ کر سلطنت کے حساب کتاب کے کاموں

میں مصروف رہتی۔ مشکلات پر غور کرتی۔ سب کے مشورے سے حل کرنے کی راہ نکالتی اور دوسرے دن کے تمام کاموں کا پروگرام تیار کرلیتی تھی۔

ملہار راؤ کے مرنے کے بعد خزانے میں سولہ کروڑ روپیہ تھا۔ یہ سب کا سب اہلیا بائی نے سری کرشن جی کے نام پر سنکلپ کردیا تھا۔ یہ تمام مندروں۔ تیرتھوں اور دان پُن کے کاموں میں صرف ہوتا تھا۔

پونا کے پیشوا کے دل میں لالچ آئی۔ اس نے خزانہ چھیننے کے لئے اندور پر فوج کشی کی۔ اہلیہ بائی نے پانچ ہزار عورتوں کو ہتھیاروں سے سجا کر میدان میں مقابلہ کیا۔ اس زمانے میں عورتوں پر ہاتھ اُٹھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ پیشوا کی فوج نے لڑنے سے انکار کردیا۔ پیشوا کو بڑی شرمندگی حاصل ہوئی۔ وہ اپنا سا منہ لے کر واپس چلا گیا۔

اہلیہ بائی نے رعایا کے آرام کے لیے سڑکیں بنوائیں۔ پل تیار کرائے۔ کنویں کھدائے دھرم شالائیں کھولیں۔ مسافروں کو پانی پلانے کے لیے پیاؤں اور سبیلیں بٹھائیں مندروں میں بھوکے ننگے فقیروں کے لیے سدابرت لگوائے۔ بنارس میں وشوناتھ جی کے مندر پر سونے کا پتر چڑھوایا۔ موتیوں پر چڑھانے کے لیے مندروں میں گنگا جل روزانہ آتا تھا۔ اس وقت اندور کے سوائے چاروں طرف ملک میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں مرہٹوں کی لوٹ مار سے لوگ تنگ تھے۔ کہیں پنڈاروں اور ڈاکوؤں کے جور وستم سے رعایا تنگ تھی۔ مگر اہلیہ بائی کے راج میں چوری کا بھی کھٹکا نہ تھا۔ امیر غریب ہندو مسلمان سب خوشحال تھے۔ مالوہ کے لوگ اب تک اہلیہ بائی کے راج کو یاد کرتے ہیں اور اس کو اوتار مانتے ہیں۔

سوالات

۱۔ اہلیہ بائی کی پیدائش کے بارے میں کیا روایت مشہور ہے؟
۲۔ ان کی شادی کھانڈے راؤ سے کیسے ہوئی؟
۳۔ اہلیہ بائی اپنا وقت کس طرح صرف کرتی تھی؟
۴۔ اہلیہ بائی کے انتظام سلطنت کا حال بیان کرو؟
۵۔ اہلیہ بائی نے کیا کیا کام کئے؟
۶۔ مالوہ کے لوگ کیوں اسے اوتار مانتے ہیں؟

۱۴۔ راجہ رام موہن رائے

بنگال کے ضلع ہگلی کے قصبے رادھا نگر میں مہاتما راجہ رام موہن رائے کلین برہمنوں کے شریف خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام کانت رائے اور ماں کا نام تارا بائی تھا۔ یہ بڑی پارسا اور سمجھدار عورت تھی۔ مثل مشہور ہے کہ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ راجہ صاحب بچپن ہی سے

بلا کے ذہین اور نکتہ رس تھے پانچ چھ سال کی عمر میں فارسی کی تعلیم حاصل کرلی۔ صوفیوں کا فلسفہ ان کو بہت پسند تھا۔ ان کے دل میں ہمیشہ وحدانیت کا خیال موجزن رہتا تھا۔ اپنے دھرم کرم کے ایسے پابند تھے کہ جب تک بھگوت گیتا کا ایک باب نہ پڑھ لیتے پانی تک نہ پیتے تھے۔ بت پرستی سے ان کو سخت نفرت تھی اسی وجہ سے باپ بیٹوں میں شکر رنجی ہوگئی۔ چنانچہ باپ نے مذہبی جوش میں آکر لوگوں کے کہنے سننے سے ان کو گھر سے باہر نکال دیا۔

رفتہ رفتہ راجہ صاحب فارسی، بنگلہ، سنسکرت کے علاوہ انگریزی کے بھی ماہر ہوگئے۔ دو تین سال کے اندر ہی اس قابل ہوگئے کہ انھوں نے ویدانت شاستر کو انگریزی میں لکھ ڈالا۔

یہ بچپن کی شادی۔ ستی کی رسم اور بت پرستی کے سخت خلاف تھے۔ اس لئے ان کے کنبے ہی کے لوگ نہیں بلکہ سارا بنگال ان کو

عیسائی سمجھنے لگا۔ گھر سے نکل کر انھوں نے شمشان بھوم میں ایک مندر بنا کر اس کے گرد اوم تت ست لکھوا دیا۔ اور اُسی میں بیٹھ کر دن میں دو تین بار پوجا کرتے تھے۔

ایک روز ان کی بی بی اومادیوی نے پوچھا کہ کون سا دھرم سب سے اچھا ہے۔ رام موہن رائے نے جواب دیا کہ دیکھو گائیں کیسے رنگ برنگ کی ہوتی ہیں مگر دودھ سب کا سفید ہوتا ہے اسی طرح مختلف مذہبوں کی پرستش کے طریقے جدا جدا ہیں مگر سب کا مقصد ایک ہی ہے اور یہی سچا راستہ ہے۔ جس کو ہمیں اختیار کرنا چاہئے۔

اس زمانے میں بنگال میں بڑی بڑی خراب رسمیں جاری تھیں۔ بیواؤں کو چتا پر زندہ جلا دیتے تھے۔ کلین برہمن بیس بیس شادیاں کر لیتے تھے۔ راجہ رام موہن رائے ان سب رسموں کے سخت مخالف تھے۔ پہلے تو انھوں نے اپنے خیالات اخباروں

میں چھپوا کر لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اس لئے مجبوراً ستی کی بیخ کنی پر کمر باندھی۔ اگرچہ راجہ صاحب کو فوراً کامیابی نہ ہوئی لیکن بعد کو قانون انسداد رسم ستی گورنمنٹ سے پاس ہو گیا۔

ایک ایشور کی اُپاسنا بنگال کے لوگوں نے اب تک نہ سنی تھی۔ راجہ رام موہن رائے ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے برہمو سماج کو قائم کرکے نراکار ایشور کی پرستش اور پوجا کا عالمگیر اصول قائم کیا۔ شروع شروع میں لوگوں نے اس مذہب کی بہت مخالفت کی۔ مگر آخر کار سمجھ دار اور پڑھے لکھے قریب پانچ سو آدمی کے برہمو سماجی ہوگئے بعدازاں یہ مذہب پھیلنے لگا۔ اس مذہب کے پیرو کسی غیر مذہب کے معبود کی برائی نہیں کرتے۔ ان کے یہاں قربانی نہیں ہوتی نہ کسی قسم کی تصویر یا مورت کی پوجا کی جاتی ہے۔

اس وقت اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے اختیارات کمپنی نے کچھ کم کر دئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی تجربہ کار اور قانون داں شخص ولایت جاکر شاہ انگلستان سے ہمارے معاملے میں پیروی کرکے ہمیں حقوق سابقہ دلوا دے۔

راجہ رام موہن رائے نے یہ خدمت اپنے ہاتھ لے لی چنانچہ یہ ولایت کو روانہ ہوئے وہاں کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ گورنمنٹ کی طرف سے اُن کے ساتھ بہت اچھا سلوک ہوا۔ اور بادشاہ دہلی کے وظیفہ میں تین لاکھ روپیہ کا اضافہ ہو گیا۔

ان کے خیالات سے تمام یورپ متفق تھا۔ چنانچہ ان کو بڑے بڑے جلسوں میں تقریر کے لئے دعوت دی جاتی تھی۔ کسی جلسہ میں راجہ صاحب نے برابر تین گھنٹے تقریر کی اور ہندوستان کے متعلق ہر قسم کے سوالوں کے تسکین بخش جواب دیتے رہتے۔ اس جلسے کے تین روز بعد ان کو یکایک بخار آ گیا۔ ہر قسم کی دوا دارو کی گئی۔ مگر کسی طرح شفا حاصل نہ ہوئی۔ آخر کو اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

سوالات

۱۔ راجہ رام موہن رائے کیسے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے ؟

۲۔ بچپن ہی سے باپ بیٹوں میں کیوں تکرار ہو گئی ؟

۳۔ انھوں نے اپنی بی بی کو مذہبوں کی پرکھ کے لئے کیا نصیحت کی ؟

۴۔ ان کے خیالات کا اثر ملک پر کیا ہوا؟
۵۔ یہ ولایت کس غرض سے تشریف لے گئے تھے؟
۶۔ انھوں نے بنگال کے لئے کیا کیا اصلاحیں کیں؟
۷۔ ان کے مذہبی اصولوں کو بیان کرو؟

۲۴۔ سر سید احمد خان

خواجہ فریدالدین احمد کے بزرگ کشمیری شالوں کی تجارت کرتے ہوئے دہلی آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ خواجہ فرید کی تین بیٹیوں میں سب سے بڑی بیٹی کی شادی میر متقی سے ہوئی۔ یہ بڑی دانشمند اور دور اندیش تھیں۔ اولاد کی تربیت کا ان میں خدا داد سلیقہ تھا۔ سر سید کے والد میر متقی نہایت ہی آزاد آدمی تھے۔ جب سے شاہ غلام علی۔ کے مرید ہوئے۔ ان کی طبیعت میں اور بھی زیادہ دنیا سے بے تعلقی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ سر سید کی تعلیم و تربیت کا بار شروع ہی سے

ان کی والدہ کے ذمے رہا۔

جب سرسید کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ تو انھوں نے کسی بات پر خفا ہو کر ایک پرانے بوڑھے نوکر کو تھپڑ مار دیا۔ والدہ کو بھی اس بات کی خبر ہو گئی۔ جب یہ گھر میں آئے تو ان کی والدہ نے نہایت ناراض ہو کر ایک ماما سے کہا کہ اس کو گھر سے باہر نکال دو۔ اس کا جہاں جی چاہے چلا جائے۔ چنانچہ وہ ماما گھر سے باہر لیجا کر ان کو سڑک پر چھوڑ آئی۔ اسی وقت ان کی خالہ نے جن کا گھر ان کے مکان سے بہت قریب تھا دیکھ لیا اور ایک خادمہ کو بھیج کر اپنے گھر میں بلوا لیا۔ تین روز تک کہیں باہر نہ نکلنے دیا چوتھے روز سرسید کا قصور معاف کرانے کے لئے ان کی والدہ کے پاس لے گئیں تب انھوں نے کہا کہ جب تک یہ نوکر کے آگے ہاتھ جوڑ کر اپنا قصور معاف نہ کرائے گا۔ اس وقت تک میں بھی معاف نہ کروں گی۔ یہ بات تو چھوٹی سی ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی

والدہ کیسی صاحب تدبیر تھیں کہ وہ بچپن ہی سے ان کی ذرا ذرا سی بات کا پورا خیال رکھتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ جو کچھ آمدنی ہوتی تھی ان کی والدہ پانچ فیصدی کے حساب سے ہمیشہ علیٰحدہ رکھتی جاتی تھیں۔ جس کو وہ خیرات کے کاموں میں صرف کرتی تھیں۔ یہ جتنی دانشمند اور سمجھدار تھیں اس سے زیادہ نیک سیرت تھیں۔ سرسید کہتے ہیں کہ میری پرورش کے لئے ایک بوڑھی ماما گھر میں رہتی تھی۔ اتفاق سے میری والدہ اور ماما دونوں ساتھ ہی بیمار ہو گئیں۔ دونوں کی بیماری ایک سی تھی۔ حکیم جی نے والدہ کے لئے معجون کا ایک بہت قیمتی نسخہ تیار کرایا۔ والدہ نے دل میں سوچا کہ یہ ماما کو بھی مفید ہوگا۔ لیکن اس غریب کو کون بنوا کے دیگا۔ چنانچہ اپنی دوا برابر ماما کو کھلاتی رہیں۔ چند روز کے بعد کسی نے پوچھا کہ معجون نے آپ کو بہت فائدہ کیا ہوگا تو وہ ہنسیں اور کہا کہ بغیر دوا کے کیا خدا صحت نہیں دیسکتا۔ آخر کو معلوم ہوا کہ وہ ساری معجون ماما کے پیٹ میں گئی مگر خدا نے دونوں کو صحت

عطا کی۔ تم شاید کہو گے کہ یہاں ان کی والدہ کے ذکر کا کیا موقع تھا مگر تم کو یہ خبر نہیں کہ ان کی والدہ کے یہی تمام اخلاق و عادتیں سرسید کو میراث میں ملی تھیں۔ اور انھیں نعمتوں کی بدولت یہ اتنے بڑے آدمی ہوئے۔

اگرچہ سرسید بچپن ہی سے بڑے تندرست اور توانا تھے۔ مگر اپنے ہم عمروں سے کچھ زیادہ تیز اور ہوشیار نہ دکھائی دیتے تھے۔ بچپن میں ان کو نہ تو کھیل کود کی ممانعت تھی اور نہ اتنی آزادی کہ وہ آوارہ لڑکوں کی صحبت میں بیٹھیں۔

اپنے گھر کا حال سرسید اس طرح لکھتے ہیں" میرے نانا صاحب کا کھانا اندر زنانہ میں کھایا کرتے تھے ایک صاف ستھرا دسترخوان بچھتا تھا۔ بیٹے بیٹیاں۔ پوتیاں۔ نواسے بیٹوں کی بیویاں سب ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھتے تھے بچوں کے آگے خالی رکابیاں ہوتی تھیں۔ نانا صاحب ہر ایک سے پوچھتے جاتے تھے کہ کون سی چیز کھاؤ گے۔ جو کچھ کوئی بتاتا تھا وہ چمچے سے اُس کی رکابی میں رکھ دیتے تھے۔ چھوٹے بڑے سب کو یہی خیال رہتا تھا کہ کوئی چیز گرنے نہ پاوے۔ ہاتھ کھانے میں نہ بھریں۔ لقمہ چبانے کی آواز منہ سے نہ نکلے اگر

کسی کے پاؤں کا دھبہ سفید چاندنی پر پڑ جاتا تھا تو بہت ناراض ہوتے تھے۔ شام کو چراغ جلنے کے بعد ہم سب پوتے اور نواسے مکتب میں پڑھتے تھے۔ ان کو سبق سنانے جاتے تھے۔ جس کو اچھا یاد ہوتا۔ اسکو عمدہ مٹھائی ملتی۔ جس کو یاد نہ ہوتا اسکو گھڑک دیتے تھے۔

سرسید گرمی اور برسات کے موسم میں سہ پہر کو جمنا جی کی سیر کو جاتے تھے۔ تیرنا انھوں نے یہیں سیکھا تھا۔ اُن کو تیر اندازی میں بھی کافی مہارت تھی۔ سرسید نے سولہ برس کی عمر میں ہی اچھی عربی فارسی پڑھ لی تھی۔ اس وقت اُن کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ سرشتہ داری سے صدر اعلیٰ کے عہدے تک پہونچ گئے۔ چھبیس برس کی ملازمت کے بعد پنشن لے لی۔ اور علی گڈھ میں سکونت اختیار کر لی۔ غدر میں سچی وفاداری کے عوض میں ان کے بڑے بیٹے کی تمام عمر کے لئے دوسو روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر ہوگئی آپ اپنے دونوں بیٹوں کو لیکر ولایت گئے۔ لندن میں علمی اور قومی ترقی دیکھ کر انھوں نے دل میں عہد کیا کہ اپنی قوم کو بیدار کرنے کے لئے میں بھی ایک ایسا ہی کالج کھولونگا جس میں مسلمان لڑکے تعلیم پاکر بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوسکیں۔ چنانچہ واپس آکر علی گڈھ کالج کی بنیاد ڈالی۔

غدر کے بعد آپ کو کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب ملا۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں آثار الصنادید میں دہلی کے حالات اور عمارتوں کے نقشے درج ہیں۔ آپ نے اکیاسی برس کی عمر میں دنیائے ناپائدار کو چھوڑ کر عالم بقا کی راہ لی۔

سوالات

۱۔ سرسید کے اخلاق و عادات درست کرنے میں ان کی والدہ کا کتنا حصہ تھا؟

۲۔ اُن کے گھر کا حال بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ ان کے بچپن کی زندگی کیسی گزری؟

۳۔ سرسید نے کون کون بڑے کام کئے؟

۴۔ کالج بنانے کا خیال ان کے دل میں کیونکر پیدا ہوا؟

۵۔ ان کی تصنیفوں میں سب سے زیادہ مشہور کتاب کون سی ہے؟

۲۳۔ دادا بھائی نوروجی

بمبئی میں اور شہروں کی نسبت پارسیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دادا بھائی نوروجی اسی شہر کے ایک شریف گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے باپ دادا پارسیوں کے پروہت تھے اس لئے گو یہ خاندان کچھ امیر نہ تھا تاہم برادری میں

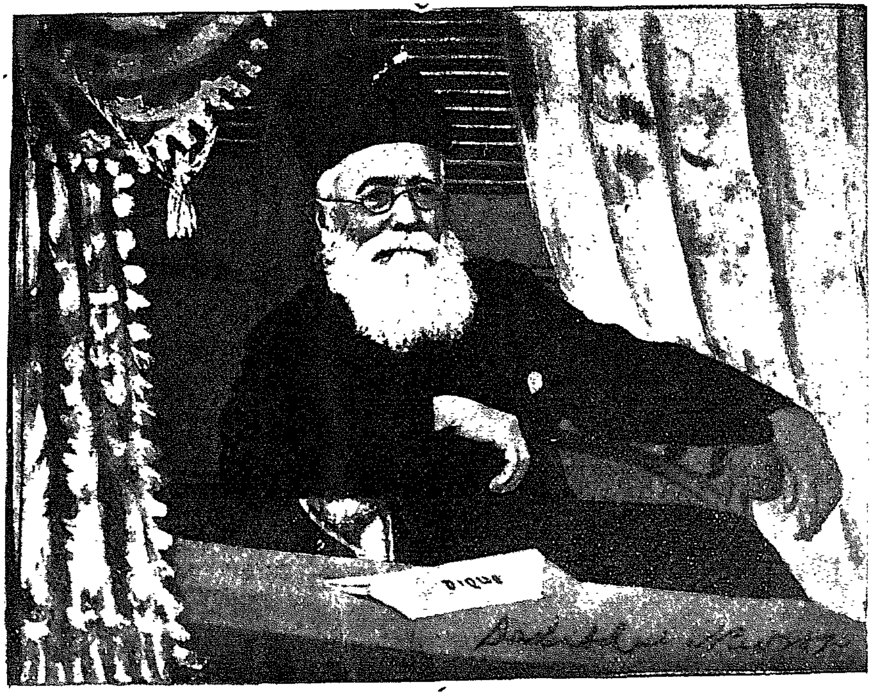
ان کے گھرانے کی بڑی عزت ہوتی تھی۔

دادا بھائی ابھی چار برس کے بھی نہ تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس لئے ان کی پرورش اور تعلیم کا بوجھ ان کی غریب ماں کے اوپر پڑ گیا۔ یہ بڑی مشکل سے گزر بسر کرتی تھیں۔ مگر روشن دماغ تھیں تعلیم کی خوب قدر جانتی تھیں۔

جب دادا بھائی پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئے تو ان کی والدہ نے الفنسٹن کالج کی ایک شاخ میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔ خوش قسمتی سے اس زمانے میں انگریزی تعلیم جاری ہو چکی تھی۔ لوگوں میں انگریزی تعلیم کا شوق پیدا کرنے کے لئے لڑکوں سے فیس نہ لی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے امیر غریب سب اپنے بچوں کو پڑھا سکتے تھے۔ دادا بھائی کو پڑھانے میں ان کی والدہ کو کچھ دقت نہیں ہوئی۔

دادا بھائی نے سمجھ اور حافظہ خدا داد پایا تھا۔ یہ شروع سے ہی بلا کے ذہین اور تیز تھے۔ اگر کوئی انکو ایک بات سمجھاتا تو یہ اس سے دس نئی باتیں نکال لیتے تھے۔ جماعت میں اول رہنا تو انکے لئے کوئی بات ہی نہ تھی اسی وجہ سے انکے استاد ان سے ہمیشہ خوش رہتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بڑی عالمہ میم صاحبہ ولایت سے ہندوستان کی سیر کے لئے بمبئی میں تشریف لائی ہوئی تھیں۔ وہ الفنسٹن کالج کو بھی دیکھنے گئیں ان دنوں دادا بھائی اس کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اتفاق سے میم صاحبہ سارا کالج دیکھنے کے بعد ان کی جماعت میں بھی گئیں وہ جس جس جماعت میں گئی تھیں وہاں کسی لڑکے نے ایک بھی ان کے سوالات کے جواب کافی وشافی نہ دئے تھے۔ اس جماعت میں بھی انھوں نے لڑکوں سے وہی سوالات پوچھنے شروع کئے۔ تو ان کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ ایک چھوٹا سا پارسی لڑکا صحیح جواب دے رہا ہے۔ اس وقت انھوں نے ان کا نام دریافت کیا۔ اور اپنی ڈائری جیب سے نکالی۔ دادا بھائی نے اپنا نام ڈائری میں لکھواکر کہا کہ آپنے ہم سے بہت آسان سوال پوچھے ہیں۔ کوئی بھی مشکل بات آپ نے دریافت نہیں کی جس سے ہمیں سوچنے میں دقت ہوتی۔ براہ مہربانی کچھ اور سوال پوچھئے۔ میم صاحبہ اس چھوٹے سے بچے کا یہ حوصلہ دیکھ کر مشکل سوالات کرنے کے لئے تیار ہوگئیں۔ ان کا کوئی بھی سوال ایسا



दादाभाई नारोज़ी   دادا بهائي نوروجي

نہ تھا جس کا جواب دادا بھائی نے پوری طرح نہ دیا ہو۔ چنانچہ میم صاحبہ نے ان کو ایک نہایت بیش قیمت تحفہ انعام میں دیا اور بعد ازاں اس واقعہ کو اپنی کتاب ویسٹرن انڈیا میں لکھا ساتھ ہی اس کے یہ پیشین گوئی بھی کی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر دنیا میں نام پیدا کرے گا۔

دادا بھائی نے بیس برس کی عمر میں کالج کی پوری تعلیم حاصل کرلی۔ اتنی کم عمر میں ایسی لیاقت دیکھ کر بمبئی ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سر آیرسکن پیری صاحب نے ان کو ملاقات کے لئے طلب کیا۔ ان سے گفتگو کر کے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ آپ انگلینڈ جاکر بیرسٹری کا امتحان پاس کرلیں۔ تب انھوں نے اپنے گھر کا کل ماجرا کہہ سنایا جس طرح ان کی والدہ نے مشکل سے اب تک تعلیم دی تھی۔ اس پر چیف جسٹس صاحب نے ان کی ہمت بڑھانے کے لئے کہا کہ اگر آپ کی خواہش انگلینڈ جانے کی ہو تو آپ کا نصف خرچ میں اپنی جیب سے دینے کے لئے تیار ہوں۔ دیکھئے انگریزوں کو بھی ہندوستانیوں سے کتنی ہمدردی ہو جاتی ہے۔ آخر کالے ہوں یا گورے انسان انسان سب ایک ہیں۔

دادا بھائی نے باقی نصف خرچ کا روپیہ بمبئی کے ساہوکاروں سے اُدھار لینے کی کوشش کی مگر تعلیم کی کمی سے کوئی شخص ایسا نہ ملا جو کسی شرط پر بھی اُن کی تعلیم پوری کرانے کے لئے تیار ہو جاتا۔ آخر کار دادا بھائی ہار کر بیٹھ گئے۔ اور انھیں نوکری ہی کرنی پڑی۔

ان کو حساب پڑھانے کا بڑا شوق تھا۔ اور اسی وجہ سے سائنس اور حساب پڑھانے کے صلہ میں ایک سُنہرا تمغہ بھی انعام ملا تھا۔ جو کام ان کے سپرد ہوتا اُسی میں تعریف ہوتی تھی۔ دادا بھائی کی قسمت کا ستارہ بلند ہونے لگا اور ان کو ہر کام میں خواہ وہ سکول کے ماسٹر کی حیثیت سے ہو یا سوشل ریفامر کی کامیابی ہونے لگی۔ اور کہاں تو ولایت جانے کے لئے اُدھار روپیہ ملنا مشکل تھا کہاں میسرز کاما اینڈ کمپنی نے خود بخود بڑی خاطر و خوشامد سے ان کو ایجنٹ بناکر ولایت بھیجنا چاہا دادا بھائی نے بمشکل تمام ان کی درخواست منظور کی اور ولایت جاکر وہ اس کمپنی کے کام کے علاوہ لندن یونیورسٹی کالج کے پروفیسر بھی مقرر ہو گئے۔

ولایت میں رہ کر ان کو اپنے ملک کی بھلائی کرنے

کے بہت سے موقع پیش آئے حتیٰ کہ یہ پارلیمنٹ کے ممبر بننے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کوشش میں ان کو بڑی دقتیں اُٹھانی پڑیں اور ایک تو ایسا نازک موقع پیش آیا کہ ان کو اپنے ملک کی خاطر گالیاں بھی سننے کی نوبت آئی۔

کہتے ہیں کہ لارڈ سالسبری نے ان کے خلاف بڑی بڑی تقریریں کیں اور کسی ایک اسپیچ میں اپنی زبان سے، علاوہ سخت کلمات نکالنے کے، یہاں تک کہہ ڈالا کہ کالا آدمی پارلیمنٹ کی ممبری کے لائق نہیں ہے لیکن دادا بھائی نے اس کو نہایت مستقل مزاجی سے برداشت کیا حالانکہ تمام ہندوستان کی رعایا کو یہ بات ناگوار ہوئی آخرکار مسٹر گلیڈسٹن جو اس زمانے میں وزیر اعظم تھے ایسی بیجا باتیں سن سن کر بہت ناراض ہوئے اور انھوں نے اپنی تقریر میں لارڈ سالسبری کی خوب خبر لی اور اُن کے تمام دلائل کو کاٹ کر یہ کہا کہ دادا بھائی نوروجی تو لارڈ سالسبری سے بھی کہیں زیادہ گورے چٹے ہیں ان کو کالا آدمی کون کہہ سکتا ہے۔ ان کی شان میں اس قسم کے الفاظ زیبا نہیں ہیں۔ آخرکار لارڈ سالسبری کو اپنے

لیے پریشان ہونا پڑا۔

اس واقعہ کے بعد جب دادا بھائی ولایت سے ہندوستان واپس تشریف لائے تو تمام رعایا نے بڑی شان و شوکت سے ان کا استقبال کیا اور کانگریس کی صدر نشینی قبول کرنے کے لئے درخواست کی۔ ان کو یہ عزت افزائی اپنی زندگی میں تین مرتبہ حاصل ہوئی۔ شاید اتنی مرتبہ کانگریس کے صدر ہونے کا فخر آج تک کم آدمیوں کو حاصل ہوا ہوگا۔

اس کے علاوہ اکیانوے برس کی عمر تک آپ کو اپنے وطن کے لوگوں کی خدمت کرنے کا موقع ملتا رہا اور آج تک ہندوستان کا بچہ بچہ ان کے مشہور و معروف نام گرینڈ اولڈ مین آف انڈیا یعنی "ہندوستان کا جلیل القدر بزرگ" سے واقف ہے۔ اور سوراج کا لفظ جو انہیں کی ایجاد ہے آج بھارت ورش کی پتی پتی کی زبان سے نکل رہا ہے۔

سوالات

۱۔ دادا بھائی نوروجی نے میر صاحب کو کیسے خوش کیا؟

۲۔ یہ ولایت کیسے پہنچے۔ اور وہاں انھوں نے کیا کام کیا؟

۳۔ ان کا نام کیوں مشہور ہے؟



राजराजेश्वरी महारानी मलिका विक्टोरिया

ملکہ معظمہ وکٹوریہ

۲۴- حضور ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرہ ہند

تم نے کہانیاں تو بہت سُنی ہونگی مگر یہ کہانی ملکہ معظمہ کی نہایت عجیب و غریب ہے - کہتے ہیں کہ تخت نشینی کے پیشتر ایک دن ملکہ کسی جوہری کی دُکان پر تشریف لے گئیں - وہاں آپ نے ایک نہایت خوبصورت نوجوان لیڈی کو دیکھا جس نے دُکان میں سے ایک عمدہ جڑاؤ اور خوبصورت زنجیر بڑی دیکھ بھال اور تلاش کے بعد پسند کی - مگر جب اس کی قیمت پوچھی تو مقدور سے زیادہ نکلی - آخرکار اس نے اپنے دل پر ضبط کر کے ایک آہ سرد بھری - وہیں زنجیر کو خانے میں رکھ دیا اور ایک ہلکی قیمت کی زنجیر خرید کر اپنے گھر کی راہ لی - ملکہ چپکے چپکے کھڑی ہوئی یہ سب تماشہ دیکھتی رہیں - اور وہ اس نیک لڑکی کی عقلمندی سے بے حد خوش ہوئیں - اس کے چلے جانے کے بعد ملکہ نے اس کا پتہ پوچھکر وہی زنجیر جو وہ اس حسرت سے چھوڑ گئی تھی - خرید کر ایک خط کے ساتھ اس کے مکان پر بھجوا دی - خط میں یہ لکھا تھا " میں یہ تحفہ تمھارے صبر و قناعت کے صلے میں بھیجتی ہوں - جو تم نے اب

زنجیر کو چھوڑ کر ایک ہلکی زنجیر کے خریدنے میں دکھائی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ تم دنیاوی کاموں میں بھی اپنی بساط سے کبھی بڑھ کر خرچ نہ کرو گی۔" دیکھو لڑکیوں کو بھی کبھی اپنے اوقات سے بڑھ کر خرچ نہ کرنا چاہئے۔ دکھاوٹ اور نمائش میں ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔ جتنی چادر دیکھو اتنے ہی پیر پھیلاؤ۔

ایک دن ملکہ کی استانی صاحبہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم کو کبھی بادشاہت کرنی پڑے تو تم اپنی سلطنت کا کس طرح انتظام کرو گی؟ ملکہ نے جواب دیا کہ میں نیک اور مہربان بننے کی کوشش کروں گی۔ آخرکار استانی کی بات ٹھیک ہو گئی اور صبح کے وقت کنٹربری کے بڑے پادری لندن کے لارڈ میئر اور میلبورن صاحب وزیر اعظم معہ المعیہ ملکہ کو تخت نشینی کی خوشخبری دینے کے لئے حاضر ہوئے اس وقت ملکہ سو رہی تھیں اس لئے ان کو جگانا پڑا جس وقت ان کو یہ خبر سنائی گئی۔ تو وہ سکتے کے عالم میں ہو گئیں۔ اور پہلے ہی یہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے۔ "گو مرتبہ تو بہت بڑا ہے۔ مگر ذمہ داری بھی بہ

سے زیادہ ہے" دیکھئے ایسے وقت میں کوئی اور لڑکی خوشی کے مارے ناچنے لگتی۔ اور آپے سے باہر اور بے اختیار ہو جاتی۔ مگر یہ تعلیم و تربیت کا اثر تھا۔ کہ آپ اصلی بات تک پہنچ گئیں۔ بادشاہوں کی جہاں اتنی شان و شوکت ہوتی ہے اور اتنی بڑی عملداری ہوتی ہے۔ اتنی ہی زیادہ رعایا پروری کا کام اور ان کی بہبودی اور بہتری کا انتظام بھی کرنا ہوتا ہے۔ تخت نشینی کے بعد جب ملکہ کینگسٹن محل میں واپس ہوئیں۔ تو ایک علیحدہ کمرے میں دو گھنٹے بند ہو کر رو رو کر یہ دعا مانگتی رہیں کہ اے خدا مجھے اتنی طاقت دے کہ میں نیک اور مہربان ملکہ بن سکوں اور اتنی بڑی ریاست کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا قبول ہوگئی۔ اور ملکہ کی نیک نیتی سے جتنا عروج انگریزی سلطنت کو اُن کے زمانے میں ہوا پہلے کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔

حکومت ملنے کے بعد آپ نے بڑے سلیقہ اور لیاقت کے ساتھ سلطنت کے کاموں کو انجام دینا شروع کیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ لارڈ ولنگٹن جو انگریزی

فوج کے بڑے افسر تھے ایک معزز ملزم کی پھانسی کا حکم آپ کے دستخطوں کے لئے لائے ملکہ نے پوچھا کہ کیا اس نے اتنا بڑا قصور کیا ہے کہ سوائے موت کے اس کو اور کوئی سزا دی ہی نہیں جا سکتی۔ ولنگٹن نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ حضور اس بدبخت کا قصور معاف فرماویں تو امید ہے کہ اس کی زندگی سنبھل جاوے۔ آپ نے فوراً "معاف" لکھ کر دستخط کر دیئے اور لارڈ صاحب سے یہ فرمایا کہ ایک عیسائی عورت کے لئے پھانسی کے حکم نامے پر دستخط کرنا بہت مشکل کام ہے۔ آپ کی رحم دلی کی سیکڑوں مثالوں میں سے یہ ایک بہت چھوٹی سی مثال ہے۔

ملکہ وکٹوریہ جب بیس برس کی تھیں تو ان کی شادی پرنس چارلس آگسٹس البرٹ کے ساتھ نہایت دھوم دھام کے ساتھ ہوئی۔ یہ شہزادے رہنے والے تو جرمنی کے تھے۔ مگر شادی کے بعد انگلستان ہی کو اپنا وطن قرار دینا پڑا۔ اور تین ہزار پونڈ وظیفہ اس شرط پر مقرر ہوا کہ ملکی معاملات سے آپ کو کچھ سروکار نہ رہیگا۔ یہ شہزادے خاندان سیکسن کے چشم و چراغ۔ صورت و سیرت میں یکتائے روزگار تھے۔

جب تک یہ قید حیات میں رہے اپنے وعدہ کو کبھی نہ بھولے۔ دنیاداری سے اُن کو اس قدر نفرت تھی کہ سلطنت کے کاروبار تو الگ رہے یہ گھر کے معاملات میں بھی زیادہ دخل نہ دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ بڑھاپا آگیا۔

جس وقت آپ کی آنکھیں بند ہونے والی تھیں تو آپ نے پرنس آف ویلز کو پاس بلاکر آخری وصیت یہ کی کہ جب تم تاج و تخت کے مالک ہونا تو تم میرے نام کا آخری لفظ البرٹ اپنے نام سے حذف کردینا کیونکہ وہ پاک لفظ ہے۔ جو آج تک کبھی کسی دنیادار کے نام میں نہیں آیا ہے۔ چنانچہ تخت نشین ہوکر انھوں نے اپنا نام ایڈورڈ ہفتم ہی رہنے دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دُنیا کی آلائش سے دور ہوکر کس قدر سیر چشمی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اُن کا دل کس قدر خدا کی طرف لگا رہتا تھا بے شک دنیا کی آسائشیں بھی اللہ والوں کا دل راہ زاہدت سے نہیں پھیر سکتیں۔

سوالات

۱۔ ملکہ کے خیالات کیسے تھے؟

۲- ملکہ کی شادی کس سے ہوئی تھی ؟

۳- ملکہ نے ایک غریب لیڈی کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟

۴- ملزم کے قتل نامے پر دستخط کیوں نہیں کئے ؟

۵- ان کے سبق سے کون سی نصیحت ملتی ہے ؟

۶- ایڈورڈ ہفتم کو اُن کے والد نے مرتے وقت کیا نصیحت کی ؟ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے ؟

۲۵ ملک معظم شاہنشاہ جارج پنجم

ہمارے جارج پنجم ملکہ وکٹوریہ کے پوتے اور ایڈورڈ ہفتم کے صاحبزادے ہیں۔ یہ انگلستان کے پہلے بادشاہ ہیں۔ جنھوں نے ہندوستان میں آکر دربار دہلی میں تخت کو زینت بخشی۔ ان کی اوائل عمری کے حالات بہت ہی دلچسپ ہیں۔ انگلستان میں یہ قاعدہ ہے کہ شہزادوں کو شروع ہی سے جہازرانی کی تعلیم دیجاتی ہے۔ ان کو جہاز پر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام سکھایا جاتا ہے۔ اور شہزادوں کو کوئلہ جھونکنے۔ رسّی پر چڑھنے اور جہاز کو صاف کرنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی۔ کیونکہ انگریزوں میں کام کا رتبہ بہت بلند



महाराजाधिराज सम्राट जार्ज पञ्चम

ملک معظم جارج پنجم

DUE DATE

Date	No.	Date	No.